ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

۲۷ر جنوری ۱۹۹۲ء

- الجزائر کے تجربے میں اسلامی تحریکوں کے لئے کوئی سبق ہے؟
- آخری زمانے میں خلافت کے قیام کی بشارت خود حضورؐ نے دی
- نظام خلافت پر ایک مذاکرے کی روداد: "جان بیٹا خلافت پہ دیدو

○

ربط و ضبطِ ملتِ بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر

پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصارِ دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظِ حرم کا اِک ثمر

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر!

جو کرے گا امتیازِ رنگ و خوں مٹ جائے گا
ترکِ خرگاہی ہو یا اعرابیٔ والا گہر!

نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدّم ہو گئی
اُڑ گیا دنیا سے تو مانندِ خاکِ رہگذر!

تاخلافت کی بِنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

اقبالؔ

○

5156

الھُدیٰ

سورۃ البقرہ

(آیات ۷۸،۷۹)

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور ان میں بعض اَن پڑھ ہیں کہ جو علم نہیں رکھتے کتاب کا سوائے جھوٹی آرزوؤں کے، اور وہ فقط خیالی تیر تُکّے چلاتے ہیں ○

(کہ یہودیں جہاں ایسے ذی علم لوگ موجود ہیں جن کا شمار تورات کے عالموں میں ہوتا ہے، وہاں ایسے چِٹّے اَن پڑھ لوگوں کی بھی ان میں کمی نہیں جو تورات کی ابجد سے بھی ناواقف ہیں۔ یہود کے عوام نہ صرف یہ کہ تورات کی تعلیمات سے بالکل بے بہرہ ہیں بلکہ علمائے یہود کی غلط تعلیم کے نتیجے میں ان کے اندر کچھ بے بنیاد اور جھوٹی آرزوئیں اور تمنائیں رچی بسی ہوئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ جنت میں یہودیوں کے سوا اور کوئی داخل نہ ہوگا اور یہ کہ ہم چونکہ انبیاء کی نسل سے ہیں لہٰذا بخشے بخشائے ہیں وغیرہ۔ یہ لوگ اپنی جہالت اور لاعلمی کے باعث کتابِ الٰہی کو اپنی انہی جھوٹی آرزوؤں کا مجموعہ خیال کرتے ہیں!۔۔۔ گویا مسلمانوں پر یہ بات واضح کردی گئی کہ یہود کے علماء اگر اپنی شرارتِ نفس اور تعصّب کی بناء پر حق کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوں گے تو ان کے عوام جھوٹی آرزوؤں اور اوہام میں مبتلا ہونے کے باعث قبولِ حق سے گریزاں رہیں گے)

پس ہلاکت اور تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھوں سے، پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے، تاکہ حاصل کرلیں اس کے ذریعے تھوڑی سی قیمت۔ پس ہلاکت ہے ان کے لئے اس چیز کے سبب سے جو ان کے ہاتھوں نے لکھی اور ہلاکت ہے ان کے لئے اس چیز کے باعث جو وہ کماتے ہیں ○

(علمائے یہود کی دیدہ دلیری ملاحظہ ہو کہ اپنی دنیوی اغراض کی خاطر اور اپنے عوام کو خوش کرنے کے لئے بغیر کسی شرعی سند کے اپنی طرف سے من گھڑت فتوے تحریر کرتے اور دعویٰ یہ کرتے تھے کہ یہی اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے۔ یہ دین فروشی وہ محض کچھ حقیر سے دنیوی منافع کے حصول کے لئے کرتے تھے کہ دنیا کا بڑا سے بڑا فائدہ بھی آخرت کے اجر کے مقابلے میں انتہائی حقیر اور بے وقعت ہے۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ دین ہاتھ سے دے کر اگر کسی نے کوئی دنیاوی منفعت کمائی تو یہ سراسر خسارے ہی کا سودا ہے!)

جوامع الکلم

یہ قرآن یا تو تمہارے حق میں دلیل بنے گا یا تمہارے خلاف حجت!

(قرآن حکیم کو اگر ہم نے اپنے لئے مشعلِ راہ بنایا اور اس کے جملہ حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کیا تو یہ روزِ محشر ہمارے حق میں دلیل بنے گا اور اگر ہم نے اس کی جانب سے تغافل برتا اور اپنی عملی زندگی میں اسے نظرانداز کیا تو ازروئے فرمانِ نبویؐ یہی قرآن ہمارے خلاف حجتِ قاطع ثابت ہو گا۔)

(صحیح مسلم بروایت حضرت ابو مالک اشعریؓ)

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ **ندائے خلافت** لاہور

جلد: ۱ ، شمارہ: ۱
۲۱ تا ۲۷ جنوری ۱۹۹۲ء

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
مرکزی دفتر: ۶۷-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور
مقامِ اشاعت
۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

زرِ تعاون (اندرونِ پاکستان)
قیمت فی شمارہ -/۳ روپے سالانہ زرِ تعاون -/۱۲۰ روپے

زرِ تعاون برائے بیرونِ پاکستان

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت	۱۶ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش	۱۲ 〃 〃
افریقہ، ایشیا، یورپ	۱۷ 〃 〃
شمالی امریکہ، آسٹریلیا	۲۰ 〃 〃

افتتاحیہ

فَطُوبیٰ لِلغُربَاء

ندائے خلافت کا پہلا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کی ضخامت عام ہفت روزہ جرائد سے کم ہے اور آئندہ کم تر ہوگی لیکن قیمت کو بھی اسی تناسب سے کم رکھا گیا ہے۔ زیر نظر شمارے میں چار صفحات اضافی ہیں اس لئے کہ داعی تحریک خلافت کی ایک حالیہ تقریر پوری کی پوری اس میں شامل کرنی ضروری تھی تاکہ جو نظام خلافت ہمارا موضوع ہے' اس کا مکمل تعارف سامنے آجائے۔ اگلے شماروں میں حسب ضرورت بالعموم ان کے خطابات کی تلخیص پیش کی جایا کرے گی اور یوں تحریک کی سرگرمیوں کی سیر حاصل رپورٹ کے علاوہ دیگر متعلقہ موضوعات پر بھی خاصا مواد بیس صفحات میں ہی سمویا جاسکے گا۔ کوشش ہوگی کہ تحریک خلافت اور اس کے معاونین کی دلچسپی کی سبھی چیزیں ندائے خلافت میں جگہ پائیں جن میں سے اہم تر یہ ہیں کہ تحریک کس رفتار سے آگے بڑھ رہی ہے' مختلف مقامات پر اپنے کام کے سلسلے میں معاونین کو کن مسائل سے دوچار ہونا پڑا اور نظام خلافت کو کس درجہ میں پذیرائی مل رہی ہے یا اس پر جڑے جانے والے اعتراضات کی نوعیت کیا ہے۔ اسے ایک ایسا گلدستہ بنانے کی کوشش کی جائے گی جس میں پھول تو ہر رنگ کے ہوں لیکن خوشبو سب کی ایک ہو۔ اس تنوع کو برقرار رکھنے کے لئے ہمیں آپ کے مشوروں کی ضرورت ہوگی اور قلمی معاونت کی بھی۔ اور یہ بات تو کہنے کی حاجت ہی نہیں کہ اس کی توسیع اشاعت کی سعی و جہد میں آپ کا اشتراک سب سے بڑھ کر مطلوب ہے۔ تحریک خلافت کا پیغام اس ذریعے سے دوستوں اور احباب میں پھیلانا شاید آپ کے لئے نسبتاً آسان ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ رسائل اور جرائد سے تو بک سٹال بھرے پڑے ہیں اور ندائے خلافت کے اجراء سے ان کی تعداد میں اضافہ کرنا مقصود نہیں۔ پھر ہم بھاری بھرکم اور رنگ برنگے ہفت روزوں سے مقابلہ کرنے کا ارادہ ہی نہیں رکھتے' ہمارے پیش نظر تو محض اختصار سے اور سادگی کے ساتھ اپنی بات آپ تک پہنچانا ہے۔ یہ خوبی ہم اپنے پرچے میں پیدا کرنے اور برقرار رکھنے میں کامیاب ہوگئے تو بس یہی مطلوب ہے۔ نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی۔ الحمد للہ کہ اپنے پرچے کی یہ ظاہری بے بضاعتی ہماری کم ہمتی کی آئینہ دار نہیں بلکہ حقیقت پسندی کا اظہار ہے۔ تحریک خلافت پاکستان ابھی اپنے ابتدائی دور میں ہے اور اس کے وسائل بہت ہی محدود ہیں تو ظاہر ہے کہ اس کے ترجمان جریدے میں شان و شکوہ کی نمائش جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری اور مصنوعی ہی قرار پائے گی۔ تحریک کی اٹھان کے ساتھ ساتھ ان شاء اللہ ندائے خلافت بھی قد نکالے گا اور بڑھوتری کا یہی انداز فطری ہے۔

ہمیں احساس ہے کہ جیسے معاونین تحریک خلافت پاکستان نے ایک مشکل کام کا بیڑا اٹھایا ہے' ویسے ہی یہ خدمت بھی آسان نہیں جس کی ہم نے اپنے جی میں ٹھانی ہے۔ اسلام کا سیاسی نظام یعنی خلافت ہی نہیں' ہمارے زمانے میں تو اسلام اپنی تہذیبی قدروں سمیت پورے کا پورا ہی "غریب" یعنی ایک اجنبی سا بن کر رہ گیا ہے اور اس کے لئے کام کر کے اپنی عاقبت سنوارنے کی خواہش رکھنے والے بھی سب "غرباء" ہیں۔ --- فطوبیٰ للغرباء --- لیکن اس بشارت کا مصداق بننے کے لئے ہمیں غربت شعار کرنے کے علاوہ اپنی جانوں پر کھیلنا ہوگا' اپنے اوقات لگانے ہوں گے' اپنا مال کھپانا ہوگا۔ یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے۔ ہماری بات لاکھ حق سہی' ٹھنڈے پیٹوں برداشت تو نہ کی جائے گی۔ لوگ پھولوں کے ہار لئے آپ کے اور ہمارے استقبال کے لئے نہیں کھڑے ہیں' وہ تو راہوں میں کانٹے بچھانے کی تیاری کر رہے ہیں ؎

آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے — کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

ایسے میں ہمیں تائید ایزدی ہی کی محتاجی نہیں' ایک دوسرے کے لئے دعا کی بھی ضرورت ہے۔ دعا مسلمان کا ہتھیار بھی ہے اور سب سے بڑا سہارا بھی کہ استعانت اسی سے تو کی جائے گی جس کی بندگی کا حق ادا کرنے میں ہم کوشاں ہیں۔ تو آیئے رب جلیل سے دعا کریں کہ وہ آپ کو اس وعدے کے ایفاء کی توفیق دے جو آپ نے دین کے کام میں تعاون کا کیا اور ہمیں آپ کا حوصلہ بڑھانے کے طریقے سجھائے۔ اللہ تعالیٰ ندائے خلافت سے خیر کا کام لے اور اسے کبھی کسی شر کا باعث نہ بننے دے۔ اے اللہ! ہماری دعائیں قبول فرما۔

○○

الجزائر کے تجربے میں اسلامی تحریکوں کے لئے کوئی سبق ہے؟

الجزائر میں معروف معنوں میں پہلے جمہوری یعنی کثیر الجماعتی عام انتخابات کا ابتدائی نتیجہ احیائے اسلام کی علمبردار جماعت' اسلامی نجات پارٹی کی بے مثال کامیابی کی شکل میں سامنے آیا تو دوسرے تکمیلی مرحلے کی نوبت ہی نہ آئی۔ "قوم پرست" تجدد پسند طبقات نے پر امن انتقال اقتدار کا راستہ مسدود کردیا ہے۔ صدر شاذلی بن جدید نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت استعفیٰ داغ دیا اور چند دنوں کی اتھل پتھل کے بعد اب وہاں فوج کی نگرانی میں پانچ اراکین پر مشتمل ایک نگران کونسل کی تشکیل کی گئی ہے جس کی سربراہی ایک "ترقی پسند" رہنما محمد بوضیاف کو سونپی گئی۔ عام انتخابات کا دوسرا مرحلہ جو ۱۶ جنوری کے لئے طے تھا' نہ کردیا گیا ہے اور نئے حکمران نے اقتدار سنبھالتے ہی واشگاف الفاظ میں اعلان کیا ہے کہ اسلام کو "سیاسی مقاصد" کے لئے استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی کیونکہ اسلام پر کسی کی اجارہ داری نہیں اور یہ کہ "عوام کی پسند" کا احترام لازم ہے۔ قبل ازیں گذشتہ سال کے وسط میں اسلامی نجات پارٹی نے بلدیاتی اور صوبائی کونسلوں کے انتخابات میں نمایاں کامیابی حاصل کی جس سے خطرے کی بو سونگھتے ہوئے الجزائر کی عوامی حکومت نے ۵ جون کو مارشل لاء لگا دیا تھا کیونکہ یہ نام نہاد عوامی حکومت جس کا جھکاؤ واضح طور پر لادینیت اور سوشلزم کی طرف ہے' اسلام کو اپنے مفادات کے دشمن کے طور پر ابھرتے دیکھ چکی تھی۔ عام انتخابات سے فرار کی بھی ہر ممکن کوشش کی گئی لیکن ہونی ہو کر رہتی ہے اور پھر مغرب زدہ حکمران طبقے کو مغرب کے سامنے اپنے جمہوری تشخص کا بھرم بھی تو رکھنا تھا۔ تازہ غیر متوقع صورت حال میں بھی وہاں کی اسلامی جماعت نے اگرچہ صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا اور اپنے حامی مسلمانوں کو بھی اشتعال سے بچے رہنے کی ہدایت کی ہے لیکن آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں۔

تنظیم اسلامی کا معلوم و معروف موقف ہے کہ انتخابی سیاست کے ذریعے کسی ملک کے نظام کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا کہ حاضر و موجود نظام فاسد میں کوئی بنیادی تبدیلی لانا بالخصوص اسے حقیقی اسلام کے قالب میں ڈھالنا ایک انقلابی جدوجہد کا متقاضی ہے۔ انتخابی عمل کے ذریعے بھی جزوی کامیابی کو ہم نے خارج از امکان تو قرار نہیں دیا لیکن ہمارا اصرار ہے کہ امت کے آخری حصے کی اصلاح بھی اسی طریقے سے ہوگی جو خیر القرون میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا' جسے ہم منہج انقلاب نبوی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور جو انتخابی سیاست سے مناسبت نہیں رکھتا۔ اپنے وطن کی مذہبی اور دینی جماعتوں سے بھی ہم نے ہمیشہ یہی استدعا کی کہ مروجہ بے اصول و بے مہار سیاست سے کنارہ کش ہو کر وہ غلبہ دین اور قیام نظام اسلام کے لئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فطری اور منصوص لیکن طویل و صبر طلب راستہ منتخب کریں جس کی ہر سطح پر تشریح و توضیح سیرت مطہرہ کی مدد سے کرنے میں تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی عمر عزیز کا بیشتر حصہ کھپا دیا ہے۔ اب الجزائر کے تجربے نے ان کے موقف کی صحت پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے جہاں کی تحریک اسلامی کے لئے بہترین خواہشات رکھنے کے باوجود ہم مثبت نتائج کی توقع کو محال اگر نہیں تو بہت مشکل ضرور پاتے ہیں۔

اس موقع پر اگر الجزائر اور پاکستان کے حالات کا موازنہ کیا جائے تو بڑے ہی چشم کشا حقائق سامنے آتے ہیں الجزائر میں مسلکی اختلافات اور فرقہ واریت نہ ہونے کے برابر ہے جس کے باعث اسلام کے نام پر لوگوں کو جمع کرنا نسبتاً آسان تھا۔ پھر اسلامی نجات پارٹی نے انتخابی سیاست کے میدان میں داخل ہونے سے پہلے برسہا برس محنت شاقہ کی ہے۔ دینی مدرسوں کا جال پھیلایا' بہت سے لوگوں کے قلوب و اذہان میں اسلام سے وابستگی کے تقاضوں کو پورا کرنے کی خواہش بھی ایک حد تک بیدار کی اور سیاسی معرکہ آرائیوں میں لادینی اور اشتراکی رجحانات رکھنے والے یا تہذیب مغرب کے دلدادہ بلکہ مفاد یافتہ طبقات کی نمائندگی کرنے والی سیاسی قوتوں کا بھی سہارا نہ لیا لیکن اس کے باوجود معاشرے میں بحیثیت مجموعی وہ کیفیت پیدا نہ کی جاسکی جو نفاذ اسلام کے عملی اقدام کے لئے ضروری تھی۔ یہ کہنا بہت آسان ہے کہ بر سر اقتدار نولی اور فوجی جنتا آڑے آئی ہے لیکن ذرا گہرائی میں جا کر تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ یہ لوگ عوام کی ایک معقول اکثریت کی نمائندگی کررہے ہیں اور یہ کہ اسلامی نجات پارٹی عجلت پسندی سے کام نہ لیتی بلکہ تعلیم و ارشاد اور ہدایت و اصلاح کے کام پر کچھ اور وقت لگانے کے بعد نہی عن المنکر بالید کے مرحلے میں داخل ہوتی تو ذرا تاخیر سے سہی' اسلامی انقلاب کے خواب کی تعبیر ضرور دیکھتی جو بحالات موجودہ ایک سراب میں تبدیل ہوتا نظر آرہا ہے۔

برعکس اس کے ہمارے ہاں مذہبی گروہ بندیوں' مسلک کی بنیاد پر جماعتوں کی تشکیل اور فرقہ واریت کے عفریت کی پھنکارنے مسلمانوں کے لئے ایک اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہونے کو ناممکن بنا کر رکھ دیا ہے۔ یہاں ہر چہار طرف ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں نظر آتی ہیں اور اسلام کی بات کی جائے تو پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ کونسا اسلام؟ پھر مذہبی اور دینی جماعتوں نے سیاست میں انہماک کے باعث لوگوں کو اصلاح کی دعوت دینے کا کام بالفعل ترک کردیا ہے۔

انہیں عوام کو اپنے عیوب کی طرف متوجہ کر کے ان کی ناخوشی مول لینے سے زیادہ ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی فکر ہے تاکہ ووٹوں کے کاروبار میں مندے سے واسطہ نہ پڑے۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ انتخابی سیاست میں ملوث ہماری مذہبی جماعتوں نے نفاذ اسلام کے مزعومہ مقصد کے حصول کی خاطر ہمیشہ ایسی سیاسی جماعتوں کا ضمیمہ بننے میں اپنا فائدہ دیکھا جن کی دین و ایمان سے دور کی بھی صاحب سلامت نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان کی آج تک کی مجموعی انتخابی کامیابیوں کا وزن الجزائر میں اسلامی نجات پارٹی کی حالیہ کامیابی کا پاسنگ بھی نہیں بنتی۔ غور طلب بات یہ ہے کہ واحد دینی قوت کی ایسی عدیم المثال کامیابی کے باوصف اگر ایک مسلمان ملک میں اسلام کا راستہ روکا جاسکتا ہے تو یہاں اسلام کے نام پر سیاست کی دوکان چمکانے والا بھان متی کا یہ کنبہ دین کی کیا خدمت انجام دے سکے گا؟

الجزائر کے حالات میں دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں کے لئے ایک سبق موجود ہے' تو کوئی ہے جو عبرت پکڑے! ○○

کاش یہ رتبہ بلند ہمیں ملے!

خلافت کا نظام قائم ہو کر رہے گا

اس کی بشارت رسول اکرمؐ نے دی ہے

داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک عوامی تقریر

دسمبر ۹۱ء اور ماہ رواں میں داعی تحریک خلافت پاکستان نظام خلافت کا پیغام لے کر شہر شہر پھرے اور نظام اسلام کی کامل نمائندگی کرنے والے اس طرز حکومت کے خصائص بیان کرنے کے علاوہ انہوں نے اس واحد انقلابی نہج کی بھی تشریح کی جس کے ذریعے خلافت کا قیام ممکن ہے۔ ۲۵ دسمبر کو گجرات کے جلسہ عام میں کی جانے والی ان کی تقریر جو ذیل میں دی جارہی ہے' اس قابل ہے کہ معاونین تحریک اس کا ایک ایک لفظ غور سے پڑھیں اور ذہن نشین کرلیں ---- ادارہ

حمد و ثنا سورۂ نور کی آیت ۵۵ کی تلاوت اور ادعیہ مسنونہ کے بعد۔

صوبہ پنجاب میں بلدیاتی انتخابات میں حصہ لینے والے امیدواروں کی انتخابی مہم کا آج آخری دن ہے۔ اس ماحول میں ہم آپ کے سامنے ایک ایسی بات لے کر آئے ہیں جس کا موجودہ سیاست سے براہ راست تعلق نہیں ہے۔ اس کے باوجود آپ حضرات کا موسم کی ناموافقت کے ہوتے ہوئے اتنی کثیر تعداد میں تشریف لانا میرے نزدیک ایک اچھی علامت ہے اور اس سے امید بندھتی ہے کہ "ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی"۔ کسی بھی مقصد کے حصول کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے' اپنے آپ کو لگانا اور کھپانا پڑتا ہے۔ حضورؐ اور صحابۂ کرامؓ کو بھی محنت و کوشش کرنا پڑی اور دس برس کی محنت شاقہ کے بعد بھی ۱۲۵ سے زیادہ نفوس آپ کے ساتھ نہیں تھے۔ حضورؐ کی دعوت کے پہلے دس برسوں کو سامنے رکھئے۔ حضورؐ جیسا داعی' حضورؐ جیسا مبلغ' حضورؐ جیسا مربی' حضورؐ جیسا مزکی نہ پہلے کبھی ہوا اور نہ آئندہ کبھی ہو گا' بدترین دشمن بھی جس کے کردار پر انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ ہم لوگ تو اپنے آپ کو کتنا ہی دھولیں' پاک کرلیں' کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ نجاست لگی رہے گی اور کوئی نہ کوئی کمی کسی نہ کسی پہلو سے موجود رہے گی۔ لیکن حضورؐ کی سیرت مبارکہ تو بے داغ تھی لیکن اس کے باوجود مکہ جیسے ایک ہی شہر میں حضورؐ کی دس سالہ محنت کے نتیجے میں کل ۱۲۵ افراد دس برس کے عرصے میں ایمان لائے۔ یہ ضرور ہے کہ اگلے دس برس میں پورے ملک عرب میں انقلاب آگیا۔ یہ چیز انقلابی طریق کار کی خصوصیت ہے' اس نہج سے ابتدائی مراحل میں بہت سخت محنت کرنا پڑتی ہے لیکن اس کے باوجود نتائج فوراً ظاہر نہیں ہوتے البتہ کچھ مدت کے بعد بڑی تیزی کے ساتھ دعوت کے نتائج سامنے آتے ہیں۔ آج میں چودہ سو برس پہلے کی بات آپ کے سامنے رکھوں گا اور کچھ بات مستقبل کے حوالے سے ہو گی ورنہ بد قسمتی سے ہم زمانہ حال ہی میں گم رہنے کے عادی ہو چکے ہیں جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا تھا۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

زمانہ حال کے اندر گم ہو جانا بھی در حقیقت اللہ تعالٰی سے دور ہو جانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

مطلوب شئے تو یہ ہے کہ ماضی سے رشتہ استوار رکھو' مستقبل کی فکر کرو اور ان دونوں کو سامنے رکھتے ہوئے زمانہ حال میں اپنے طرز عمل کا تعین کرو لیکن اگر صورت یہ ہو کہ ماضی سے بھی رشتہ کٹا ہوا ہو' مستقبل کی بھی فکر نہ ہو تو پھر انسان زمانہ حال کے اندر گم ہو کر رہ جاتا ہے اور یہ چیز انسان کو ایمان کی بجائے کفر کی طرف لے جاتی ہے۔ سورۂ نور کی آیت نمبر ۵۵ میں اللہ تعالٰی نے مسلمانوں سے تین نہایت ہی موکد وعدے فرمائے ہیں اگرچہ ہر وعدہ مشروط ہے جیسے فرمایا "**اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْكُمْ**" اگر تم اللہ تعالٰی کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا پھر فرمایا "**فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ**" تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ اسی طرح کا مضمون حدیث میں بھی آیا ہے' فرمایا "میرا بندہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی جانب دوڑ کر آتا ہوں' میرا بندہ میری طرف بالشت بھر آتا ہے تو میں اس کی طرف ہاتھ بھر آتا ہوں۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ بندہ تو اپنا رخ شیطان کی طرف کئے ہوئے ہو اور اللہ تعالٰی پھر بھی اس کی طرف متوجہ رہے۔ اگر ہم اللہ کی طرف رخ کرلیں' توجہ کرلیں تو وہ سراپا رحمت ذات ہر وقت رحمت کی بارش برسانے کے لئے تیار ہے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے راہرو منزل ہی نہیں

زیر گفتگو آیت میں بھی اس قاعدہ کلیہ کے حوالے سے دو شرطیں موجود ہیں "**وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ**" یہ خطاب مسلمانوں سے ہے اور مدینہ میں مسلمانوں کے مابین منافقین کا گروہ بھی موجود تھا چنانچہ یہ وعدہ منافقوں سے

نہیں' یہ وعدہ نام کے مسلمانوں سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ان مسلمانوں سے ہے جو ایمان اور عمل صالح کا حق ادا کرنے والے ہوں' پہلے خود اپنے اوپر اللہ کے دین کو قائم کرنے والے ہوں' اپنی ذات کی حد تک اللہ کے خلیفہ بن گئے ہوں' اپنے گھر اور اپنے دائرہ اختیار میں اللہ تعالیٰ کی خلافت کا تقاضا پورا کرتے ہوں اور پھر مل جل کر طاقت اور قوت حاصل کر کے باطل سے ٹکرانے اور پنجہ آزمائی کرنے کو مستعد ہوں۔ باطل نظام سے ٹکر لئے بغیر کام نہیں بنتا' چھوٹے سے چھوٹا پودا بھی آسانی سے اپنی جڑ نہیں چھوڑتا' ایک جمے ہوئے درخت کو اکھاڑنے کے لئے تو بڑی قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح رائج الوقت باطل نظام آسانی سے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے لوگوں کو اپنی جانوں کی قربانی پیش کرنا پڑے گی' خون کی ندیاں بہانا پڑیں گی۔ اگر صحابہ کرامؓ کو اپنے خون کا نذرانہ پیش کرنا پڑا تو ہم میں سے کون ایسا ہے جو اس سے استثناء چاہتا ہو' اگر آنحضورؐ کا خون طائف کی سرزمین میں جذب ہوا اور آپؐ کا خون دامن احد میں بھی گرا تو اور کون شخص یہ کہے گا کہ خون دیئے بغیر ایسا ہو سکتا ہے۔

ہمارے سامنے تو کتنی ہی روشن اور تابناک مثالیں موجود ہیں۔ ایمان اور عمل صالح کے ساتھ جہاد اگر ہو گا تو ہمارے لئے اللہ کے تین وعدے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ ہمیں لازماً زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جیسے اس سے پہلے عطا کی گئی تھی۔ بنی اسرائیل بھی اسی زمرے میں آتے ہیں اور حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کو بڑی ہی عظیم الشان مملکت عطا کی گئی تھی۔ حضرت سلیمانؑ کی حکومت ہوا پر بھی تھی' ان کی حکومت جنات پر بھی تھی۔ یہ استخلاف اللہ نے حضرت سلیمانؑ کو عطا فرمایا تھا۔ مسلمانوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ تمہیں ایسا ہی بلکہ اس سے بھی بڑا استخلاف عطا فرمائے گا اگر تم ایمان اور عمل صالح کا حق ادا کرو گے۔ دوسرا وعدہ یہ کہ اس دین کو جسے اللہ نے تمہارے لئے پسند فرما لیا ہے' تمکن عطا کرے گا کیوں کہ حق کا یہ حق ہے کہ وہ غالب ہو نہ کہ مغلوب۔ مغلوب تو باطل کو ہونا چاہئے "**الحق یعلوا ولا یُعلیٰ علیہ**" حق تو غالب رہنے کے لئے آیا ہے جب کہ مغلوبیت باطل کا شیوہ ہے تاہم حق کے غلبے کے لئے اہل حق کو قربانی دینا پڑتی ہے۔

تیسرا وعدہ یہ ہے کہ وہ ہماری خوف کی حالت کو حالت امن سے بدل دے گا۔ خوف کی یہ حالت مکہ میں بھی تھی جب صحابہؓ کو ستایا جاتا تھا' ایذائیں پہنچائی جا رہی تھیں۔ مدینہ میں بھی ہر وقت خوف کی حالت طاری تھی۔ کبھی مکہ سے مشرکین کی فوجوں کی آمد کا خطرہ رہتا تو کبھی مشرق سے یہودیوں کی سازشیں تھیں مگر اللہ تعالیٰ نے اس صورت حال کو امن سے بدل دیا۔

ان تین موکد وعدوں کا نتیجہ بیان فرماتے ہوئے کہا کہ پھر لوگ میرے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ یہی سو باتوں کی ایک بات ہے اور دین کی حقیقت بھی یہی ہے۔ اسلام دین توحید ہے۔ بندگی' اطاعت' قانون' حکم سب اللہ کا ہے کہ **اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ** حکم دینے کا اختیار سوائے اللہ کے کسی کو بھی حاصل نہیں ہے اور اسی نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی اور اطاعت نہیں ہو گی۔

> **حضورؐ نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا نظام دوبارہ قائم ہو گا اور اس کا غلبہ عالمی سطح پر ہو گا۔**

فرمایا "**وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ**" اتنے پختہ وعدوں کے بعد بھی اگر لوگوں کو اعتبار نہ آئے اور پھر بھی مسلمان اپنی جان اور مال لگانے کو تیار نہ ہوں' یہ لوگ پھر بھی اس کے لئے کمر ہمت کسنے کے لئے تیار نہ ہوں اور اتنے پختہ وعدوں کی بھی ناقدری کریں تو پھر یہ لوگ فاسق ہیں' اللہ تعالیٰ ان سے اپنی نگاہ کرم پھیر لے گا۔ سورۂ نور میں جس خلافت ارضی کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے کیا' ایک مرتبہ پورا ہو چکا ہے۔ خود حضورؐ کی زندگی میں سرزمین عرب پر غلبہ دین مکمل ہو گیا تھا۔ اس کے بعد خلافت راشدہ کے عہد میں پورا شمالی افریقہ اور مشرق میں پورا ترکستان کا علاقہ جو ۷۰ برس کے بعد روسی استبداد کے پنجے سے اب آزاد ہو رہا ہے' گویا بحراوقیانوس سے دریائے جیہوں تک کے پورے علاقے میں خلافت کا نظام قائم تھا اور یوں خلافت ارضی کے وعدہ الٰہی کی بھی تکمیل ہو گئی' مسلمانوں کو امن بھی حاصل ہو گیا اور زمین پر ہر طرف اللہ ہی کا حکم کارفرما تھا۔ قیصر و کسریٰ کی بادشاہتیں ختم ہو گئیں اور اللہ کی حاکمیت قائم ہو گئی یہ سب کچھ ہمیں بھی تاریخی اعتبار سے معلوم ہے اور دنیا بھی اس حقیقت کو نہیں جھٹلا سکتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشین گوئی فرمائی ہے کہ یہی خلافت کا نظام دوبارہ قائم ہو گا۔ دنیا کے خاتمے سے پہلے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا نظام بالفعل نافذ ہو گا اور خلافت کے اس نظام کا غلبہ اب عالمی سطح پر ہو گا' پورے کرہ ارضی پر ہو گا۔ وہ صرف بحراوقیانوس سے دریائے جیہوں تک ہی نہیں ہو گا بلکہ کل زمین پر ہو گا۔ شاید آج کے حالات میں لوگوں کو یہ باتیں بڑی عجیب لگیں کہ آج تو مسلمان پسماندہ ہیں' مغلوب ہیں' دبے ہوئے ہیں' امریکہ کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ مگر ان سب حالات کے باوجود احادیث نبویہؐ کیا کہتی ہیں آیئے دیکھتے ہیں۔ مسند احمد میں موجود حدیث کے مطابق حضورؐ نے پانچ ادوار کا ذکر فرمایا "**تکون النبوۃ فیکم ماشاء اللّٰہ ان تکون ثم یرفعھا اللّٰہ اذا شاء ان یرفعھا**" چشم تصور سے ملاحظہ فرمایئے' حضورؐ صحابہؓ کے سامنے خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں اور یہ خبر دے رہے ہیں' آپ نے فرمایا: "دیکھو' نبوت کا دور رہے گا جب تک کہ اللہ چاہے کہ رہے پھر اللہ اسے اٹھا لے گا جب اٹھانا چاہے گا" یعنی جب تک حضورؐ موجود رہے' مجسم نبوت کا دور جاری رہا اور پھر حضورؐ "**اللّٰھم فی الرفیق الاعلیٰ**" کہتے ہوئے دنیا سے پردہ فرما گئے تو وہ دور ختم ہو گیا پھر حضورؐ نے دوسرے دور کا ذکر فرمایا "**ثم تکون خلافۃ علیٰ منہاج النبوۃ**" نبوت کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے پھر طریق نبوت پر خلافت قائم ہو گی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو دین حق کے غلبہ کے لئے مبعوث فرمایا تھا' آپؐ کو خلافت کا نظام قائم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ نبوت کا یہ مشن خود حضورؐ کی زندگی میں جزیرہ نمائے عرب کی حد تک تو پورا ہو گیا تھا مگر اسے ابھی آگے بڑھنا تھا لہٰذا وہ آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ "**فتکون ماشاء اللّٰہ ان تکون ثم یرفعھا اللّٰہ اذا شاء ان یرفعھا**" یہ دوسرا دور بھی جاری رہے گا جب تک اللہ چاہے گا کہ رہے۔ پھر اللہ جب چاہے گا اسے بھی اٹھا لے گا۔ اس کے بعد حضورؐ نے تیسرے دور کے

بارے میں فرمایا "ثُمَّ تکون مُلکًا عاضًا" اس کے بعد کاٹ کھانے والی حکومت کا دور آئے گا۔ کٹکھنی حکومت کا یہ دور بنوامیہ اور بنو عباس کی ملوکیت کا دور ہے کہ در حقیقت خلافت تو حضرت حسنؓ پر ختم ہو گئی تھی اس لئے کہ اہل سنت حضرت معاویہؓ کے دور حکومت کو عہد خلافت راشدہ میں شامل نہیں کرتے۔ اسی ملوکیت کے دور ہی میں کربلا کا حادثہ فاجعہ رونما ہوا جس میں حضرت حسینؓ اپنے بہت سے ساتھیوں کے ساتھ شہید کر دیئے گئے، پھر حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو مکے میں شہید کیا گیا، اسی عہد ملوکیت میں واقعہ حرا کے نتیجے میں مدینہ النبیؐ تباہ ہوا، اسی دور ملوکیت میں حجاج ابن یوسف کے ہاتھوں سینکڑوں تابعیؒ شہید ہوئے، محمد ابن قاسم کو سندھ سے واپس بلا کر شہید کر دیا گیا اس لئے کہ بادشاہت کا تو یہ خاصہ ہوتا ہے کہ بادشاہ کسی دوسرے شخص کے مقبول ہونے سے ڈرنے لگتا ہے۔ بادشاہوں کے سامنے اپنے ذاتی مفادات ہوتے ہیں جن کو حاصل کرنے کے لئے وہ لوگوں پر ظلم و ستم کا بازار گرم کر دیتے ہیں۔ حضورؐ کے فرمان کے مطابق یہی دور ملوکیت کاٹ کھانے والے حکومت کا دور ہے اس کے بارے میں آنحضورؐ نے فرمایا: "فیکون ماشاء اللہ ان تکون ثم یرفعہا اذ شاء اللہ ان یرفعہا" "یہ دور بھی رہے گا جب تک اللہ چاہے گا پھر اللہ اسے بھی ختم فرما دے گا" پھر حضورؐ نے چوتھے دور کا ذکر فرمایا "ثُمَّ تکون مُلکًا جبریًا" پھر مجبوری کی حکومت کا ایک دور آئے گا۔ آج چودہ سو برس کی تاریخ کھلی کتاب کی مانند ہمارے سامنے موجود ہے جس کی وجہ سے ہم یہ باتیں بہت اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ مجبوری کی حکومت سے مراد غیروں کی غلامی کا زمانہ ہے کسی علاقے پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا تو کہیں فرانسیسیوں نے، کہیں ولندیزیوں نے اور کہیں اطالیویوں نے اپنے پنجے گاڑ لئے۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے خلفاء چاہے خلفاء راشدین نہیں تھے مگر تھے تو مسلمان ہی۔ پھر انہی میں سے اچھے لوگ بھی سامنے آئے، انہیں میں عبدالمالک بن مروانؒ جیسے بڑے محدث اور فقیہہ انسان بھی تھے اور عمر بن العزیزؒ بھی جنہیں خلیفہ راشد تسلیم کیا جاتا ہے۔ جب یہ دور بھی ختم ہوا تو غیروں کی حکومت آ گئی۔ برصغیر کی یہ سرزمین انگریزوں کے تسلط میں آنے سے پہلے سکھوں کے قبضے میں تھی۔ دور غلامی کی یہ حکومت آہستہ آہستہ تمام مسلم علاقوں سے ختم ہو گئی اگرچہ یہ غلامی کا دور ابھی پورے طور پر ختم نہیں ہوا۔ انڈونیشیا آزاد ہوا، ملائیشیا آزاد ہوا، تمام عرب ممالک آزاد ہوئے مگر ذہنی غلامی جوں کی توں برقرار ہے، تہذیبی غلامی پہلے سے بھی زیادہ ہے، معاشی غلامی کے بندھنوں میں بھی ہم جکڑے ہوئے ہیں۔ ہماری اس حالت کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

مملکت خدا داد پاکستان میں ہم آج بھی انگریز کے چھوڑے ہوئے نظام کو جوں کا توں لے کر چل رہے ہیں۔ سیاسی نظام بھی وہی، تمدنی اقدار بھی وہی، معاشی نظام بھی وہی غرض سارا نظام وہی۔

یہ دور جس میں ہم سانس لے رہے ہیں یہ چوتھے اور پانچویں دور کا درمیانی عرصہ ہے۔ اس

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا نفاذ در حقیقت کتاب و سنت کی غیر مشروط اور بلا استثناء بالادستی کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

دور کے اختتام پر پانچواں دور آئے گا دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس دور سعید کو جلد لائے۔ اس دور کو لانے کے لئے اللہ تعالیٰ ہماری زندگیوں کو قبول فرما لے ہماری کامیابی اسی میں ہے کہ ہم اس راہ میں اپنی جانیں نچھاور کر دیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ لازما وہ دور آ کر رہے گا جس کی خبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دی ہے کہ آپؐ سچے ہیں اور آپ کے سچے ہونے کی گواہی دی گئی ہے لہٰذا آپؐ کی دی ہوئی خبر کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔ حضورؐ نے پانچویں دور کے بارے میں ارشاد فرمایا "ثُمَّ تکون خلافۃً علٰی منھاج النبوّۃ" پھر وہی خلافت علی منہاج النبوت کا دور آئے گا جو نبوت ہی کے نقشے پر قائم ہو گا، نبوت کے مشن کے لئے ہو گا۔ راوی کے مطابق ان پانچ ادوار کی خبر دینے کے بعد حضورؐ نے سکوت اختیار فرمایا "ثُمَّ سَکَتَ" معلوم ہوا کہ اس پانچویں دور پر ہی دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس وقت نوع انسانی پانچویں دور کی دہلیز پر کھڑی نظر آ رہی ہے۔ اب جب نظام خلافت قائم ہو گا تو وہ عالمی سطح پر قائم ہو گا اس ضمن میں آنحضورؐ کا ارشاد مبارک ملاحظہ فرمایئے۔ یہ حدیث حضرت ثوبانؓ سے صحیح مسلم میں روایت کی گئی ہے حضورؐ نے فرمایا "اِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لِی الارضَ" حضورؐ فرما رہے ہیں کہ اللہ نے میرے لئے زمین کو لپیٹ دیا ہے "فَرَاَیْتُ مَشَارِقَھا وَ مَغَارِبَھا" پس میں نے زمین کے سارے مشرق بھی دیکھ لئے اور سارے مغرب بھی اور "وَ اِنَّ اُمَّتِی سَیَبلُغُ مُلْکُھا مَا زُوِیَ لِی مِنْھَا" میری امت کی حکومت ان تمام علاقوں پر قائم ہو کر رہے گی جو مجھے لپیٹ کر دکھائے گئے۔ ایک اور حدیث میں جو مسند احمدؒ کی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لَا یَبْقیٰ عَلٰی ظَھْرِ الْاَرْضِ بیتُ مِنْ وَ بَرٍ وَ لَا مَدَرٍ اِلَّا اَدْخَلَ اللّٰہُ فیہ الاسلام بِعِزِّ عَزِیْزٍ وَ ذُلِّ ذَلِیلٍ" حضورؐ نے فرمایا روئے ارضی پر کوئی گھر جو اینٹ گارے سے بنا ہوا ہو یا کمبلوں سے بنا ہوا خیمہ ایسا نہیں بچے گا جس میں اللہ کا دین داخل نہ ہو جائے۔ اللہ ان میں اپنے دین کو داخل کر کے رہے گا البتہ اس داخلے کی دو شکلیں ہوں گی۔ یا تو عزت والے کے اعزاز کے ساتھ یا ذلیل کی تذلیل کے ساتھ۔ یعنی اگر گھر والا خود اپنی مرضی سے اسلام کو قبول کر لے گا تو یہ صورت اعزاز کی ہو گی اس لئے کہ "وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُولِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ" عزت تو اللہ کا حق ہے، اس کے رسول اور اہل ایمان کا حق ہے۔ گھر والا اسلام قبول کر کے اس عزت میں شامل ہو جائے گا لیکن اگر وہ اسلام قبول نہیں کرے گا تو اسلام تب بھی اس کے گھر میں داخل ہو گا اس صورت میں اسے جزیہ دینا ہو گا "یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَدٍ وَّ ھُمْ صَاغِرُوْنَ" اسے اسلام کی بالادستی قبول کرنا ہو گی، اسے اسلامی قانون کی پابندی کا عہد کرنا ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت راشدہ کے عہد میں اسلامی افواج کا کمانڈر ہمیشہ دشمن کے سامنے تین باتیں رکھتا تھا۔ ایک یہ کہ اسلام لے آؤ تو تم لوگوں کو ہمارے جیسی حیثیت حاصل ہو جائے گی، تمہاری جان، تمہارا مال، تمہاری عزت، اتنی ہی محترم ہو گی جتنی خود ہماری ہے، تم ہمارے برابر کے بھائی بن جاؤ گے لیکن اگر تمہیں یہ صورت قبول نہیں تو تم اپنے مذہب پر رہتے ہوئے ہمیں جزیہ ادا کرو اور اللہ کے دین کی بالادستی کو تسلیم کر لو لیکن اگر تمہیں یہ شرط بھی قبول نہیں تو میدان میں

آؤ' تلوار ہمارے اور تمہارے مابین فیصلہ کر دے گی۔ اسلامی تاریخ سے اس حد تک تو ہر مسلمان واقف ہے کہ ہر جنگ سے پہلے یہی تین باتیں کہی جاتی تھیں' چوتھی بات کوئی نہ تھی کہ حقیقی مسلمان کفر کے غلبے کو برداشت کر ہی نہیں سکتا۔ ہاں اگر اس کی طاقت نہیں تو کفر کے غلبے کو ختم کرنے کی کوشش کرتا رہے گا۔ اسی جدوجہد میں جان دے دے تو ایسا شخص اللہ کے ہاں کامیاب سمجھا جائے گا۔

دو احادیث کے حوالے سے یہ بات بخوبی واضح ہو چکی ہے کہ خلافت علی منہاج النبوۃ کا دور دوبارہ آئے گا اور یہ خلافت عالمی سطح پر قائم ہو گی۔ اس تصور کو قرآن مجید نے بھی بیان کیا ہے۔ آپ حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ میرا بنیادی کام ہی قرآن مجید کو پڑھنا اور پڑھانا ہے۔ ہماری دعوت کا پہلا قدم رجوع الی القرآن ہے اسی مشن میں میری پوری عمر لگ گئی ہے اور اب میرا آخری قدم رجوع الی الخلافت ہے۔ حضورؐ نے مکے میں قرآن پڑھ کر سنایا اور مدینے میں خلافت کا نظام قائم فرما دیا۔ یہی تدریج ہے' یہی طریقہ ہے۔ حضورؐ کے ہاتھوں یہ مشن بالفعل پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تھا لیکن ہم اگر اسی کام میں اپنی جانیں لگا اور کھپا دیں تو ہماری کامیابی ہی کامیابی ہے۔ حضرت حمزہؓ نے بھی تو اپنی آنکھوں سے اسلام کا غلبہ نہیں دیکھا کہ وہ تو غزوہ احد میں ہی شہید کر دیئے گئے تھے۔ حضرت یاسرؓ اور حضرت سمیہؓ مکہ ہی میں شہید کر دیئے گئے تھے' انہیں بھی اسلام کا غلبہ دیکھنا تو کیا' مدینہ دیکھنا بھی نصیب نہ ہوا۔ یہ ناکام ٹھہرے؟۔ اسی طرح ہم نظام خلافت کی جدوجہد ہی میں اپنی جان دے دیں تو ہم کامیاب ہوں گے بشرطیکہ یہ یقین رہے کہ نظام خلافت کا قیام ہو کر رہے گا۔ حضورؐ کا مقصد بعثت ہی دین کا غلبہ تھا **"هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ"** ایک اور جگہ فرمایا گیا **"وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا"** "اے محمدؐ ہم نے نہیں بھیجا ہے آپؐ کو مگر تمام انسانوں کے لئے نذیر اور بشیر بنا کر۔ ان دونوں باتوں کو باہم جوڑنے سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اگر پورے عالم ارضی پر دین کا غلبہ نہ ہو تو حضورؐ کا مقصد بعثت شرمندہ تکمیل رہتا ہے' یہی بات علامہ اقبال نے کہی تھی

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

پورا کرہ ارضی جب تک نور توحید سے جگمگا نہیں جاتا اس وقت تک محمدؐ کا مشن جاری رہے گا۔ جیسے کبھی دامن احد میں معرکہ تھا ویسے ہی حق و باطل کا معرکہ آج بھی جاری ہے۔ اسے دیکھنے کے لئے بصیرت چاہئے' بصارت چاہئے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

ہاں' ایک وقت آکر رہے گا جب شرار بولہبی بجھ جائے گا اور چراغ مصطفویؐ سے پورا چہار دانگ عالم منور ہو جائے گا۔

یہ تو ماضی اور مستقبل کی بات ہوئی 'اب کچھ زمانہ حال کی بات بھی ہو جائے۔ زمانہ حال کا معاملہ بہت مایوس کن ہے۔ اس وقت دنیا کی کل آبادی ۶ ارب کے قریب ہے جس میں سوا ارب کے قریب مسلمان ہیں۔ اٹھارہ کروڑ مسلمان صرف بھارت میں ہیں۔ تیل کی دولت بھی

پورے ملک سے خلیفہ کا براہ راست انتخاب ہوگا جس کے لئے صرف مسلمان مرد و خواتین ہی ووٹ دیں گے۔

مسلمانوں کے پاس ہے' افرادی قوت بھی وافر مقدار میں مہیا ہے' زرعی رقبہ بھی ہے لیکن اس سب کے باوجود عزت نام کی کوئی شے مسلمانوں کو حاصل نہیں ہے۔ دنیا میں مسلمانوں کی کوئی حیثیت نہیں' ہماری قسمت کے فیصلے کہیں اور ہوتے ہیں' ہماری منصوبہ بندی کسی اور جگہ تشکیل پاتی ہے' ہمارا بجٹ کوئی اور طاقت منظور کرتی ہے' اشیاء صرف کے نرخ بھی باہر ہی سے تعین ہوتے ہیں۔ یہ سب کیا ہے؟ اس وقت نظر کے سامنے یہ حالات ہیں 'ان حالات میں میں کون ہوتا ہوں آپ حضرات کو خوشخبری سنانے والا لیکن میں تو نقل کرنے والا ہوں' میں تو حضورؐ کی بات آپ کو سنا رہا ہوں کہ یہ میرے لئے بھی قطعی الثبوت ہے اور آپ کے لئے بھی قابل یقین ہے' واجب یقین ہے۔ اگرچہ اس وقت کے حالات کے اعتبار سے تو معاملہ بہت مختلف ہے۔ نہ تو ہماری کہیں عزت ہے اور نہ ہی ہمیں حقیقی آزادی حاصل ہے۔

ایسے میں میں آپ کو عالمی سطح پر نظام خلافت کے قیام کی خبر دے رہا ہوں اور اس وقت دے رہا ہوں جب نیو ورلڈ آرڈر کا دور آچکا ہے' ظلم کی آندھی اٹھ رہی ہے۔ یہ نیو ورلڈ آرڈر درحقیقت "جیو ورلڈ آرڈر" ہے۔ امریکی شہر نیویارک کو خود وہاں کے لوگ بھی "جیو یارک" کہتے ہیں علامہ اقبال نے اس صدی کے آغاز میں انگلستان اور جرمنی کے مشاہدے کے بعد فرمایا تھا کہ "فرنگ کی رگ جاں پنجہ یہود میں ہے"۔ یہ ایک صدی قبل کی بات ہے لیکن آج پوری دنیا جانتی ہے کہ دنیا میں ایک ہی سپریم طاقت باقی رہ گئی ہے جسے امریکہ کہا جاتا ہے۔ روس کا وجود بھی ختم ہو چکا' اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے ہیں۔ اس سے پہلے روس اور امریکہ دونوں کے مابین محاذ آرائی کا معاملہ چل رہا تھا مگر اب تو میدان میں صرف ایک ہی طاقت ہے جس پر یہود کا شکنجہ کسا ہوا ہے۔

حضرات! آج آندھی آرہی ہے نیو ورلڈ آرڈر کی' طوفان اٹھ رہا ہے' جیو ورلڈ آرڈر کا۔ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کا قیام عمل میں آیا تھا یہود کا یہ پختہ اور اٹل منصوبہ ہے کہ ۱۹۹۸ء تک عظیم تر اسرائیل وجود میں آجائے گا۔ یہودی اکابرین کے منشور میں یہ سب نقشے' یہ سب تفصیلات درج ہیں ان کے منصوبے کے مطابق پورے پچاس برس کے بعد اسرائیل قائم ہو چکا ہے اور اب میڈرڈ امن کانفرنس سے واپس آکر اسرائیلی وزیر اعظم شمیر نے کہا ہے کہ ۱۹۶۷ء کی جنگ میں عربوں کے جو علاقے اسرائیلی قبضے میں آئے تھے' کیا وہ ہم خالی کردیں؟ نہیں' ہمیں تو اپنی سرحدیں مزید بڑھانا ہیں اس لئے کہ پورا شام ہمارا ہے' پورا عراق ہمارا ہے' پورا لبنان ہمارا ہے' پورا مصر ہمارا ہے' ترکی کا مشرقی علاقہ ہمارا ہے' شمالی حجاز کا علاقہ بھی ہمارا ہے اور ان علاقوں میں مدینہ منورہ بھی شامل ہے۔ ان علاقوں پر مشتمل عظیم تر اسرائیل کا نقشہ اسرائیلی پارلیمینٹ کے باہر آویزاں ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ آج دنیا کی کوئی طاقت اسرائیل کے راستے کا روڑا بنتی نظر نہیں آتی۔ اس صورت حال کی خبر بھی حضورؐ نے امت کو دے رکھی ہے کہ یہود کی باسی کڑھی میں ایک دور میں پھر ابال آئے گا جب دجال اکبر کی صورت میں یہود کے لیڈر کا ظہور ہوگا۔ یہی مسیح الدجال ہوگا جس کی حضورؐ نے خبر دی ہے اور اس سے حضورؐ نے خود پناہ مانگی **"اعوذ بک من فتنۃ المسیح الدجال"** یعنی

اے اللہ میں مسیح دجال کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ حضور نے فرمایا" مسیح دجال کے فتنے سے تمام انبیاء نے بھی پناہ مانگی اور اپنی اپنی امتوں کو بھی اس فتنے سے پناہ مانگتے رہنے کی تلقین فرمائی۔ خلیج کی جنگ کو صدام حسین نے ام الحارب کہا تھا اور صحیح کہا تھا۔ اس جنگ میں ایک عارضی سے تعطل پڑگیا ہے۔ دجال اکبر کے ظہور کا زمانہ آنے والا ہے اس لئے کہ ہم نے خود بھی وہی کچھ کیا ہے جو یہود کا چلن تھا۔ ہم نے دین سے غداری کی، بے وفائی کی کہ فتح و نصرت کا وعدہ تو وفا سے مشروط تھا۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

اس وفا کے بجائے ہم نے آزاد وطن حاصل کر کے غیروں کی تہذیب اور نظام کو جاری رکھنے کی جفاء کی انہی کے علوم و فنون ہمارے ہاں رائج ہیں۔ امت مسلمہ میں سب سے بڑے مجرم خود اہل عرب ہیں اس لئے کہ انہی میں سے محمدؐ تھے اور انہی کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب نازل فرمائی لیکن پھر بھی ان لوگوں نے اللہ کے دین سے روگردانی اختیار کر لی اور یوں اللہ کی سنت ثابتہ ان پر صادق آچکی کہ "وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم "اے امین اگر تم روگردانی اختیار کر لو گے تو ہم تمہیں ہٹا کر کسی اور کو لے آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر سات سو برس پہلے اس وقت عمل ہوچکا ہے جب امت مسلمہ کی قیادت عربوں سے سلب کر لی گئی اور وحشی تاتاری ہر طرف مسلمانوں کا خون بہانے لگے اس صورت حال پر شیخ سعدیؒ نے کہا تھا۔

آسمان راحق بود گر خوں ببارد برزمین ،
برزوالِ ملکِ مستعصم امیر المومنین

لیکن عربوں کے زوال کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود تاتاریوں کو اسلام کی دولت سے فیضیاب کردیا اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔

ہے عیاں فتنہ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

عربوں کی پیٹھ پر عذاب خداوندی کا پہلا کوڑا تو کب کا برس چکا، اب ان پر عذاب کی آخری قسط بھی آچکی ہے اور تمام عرب ممالک پوری طرح عذاب خداوندی کی لپیٹ میں آچکے ہیں البتہ غیر عرب اقوام میں سب سے بڑے مجرم ہم ہیں کہ ہم نے اسلام کے نام پر ملک حاصل کیا تھا ہم نے پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کے نعرے لگائے تھے لیکن ۴۵ برس کا عرصہ گزرنے کے باوجود اسلام کہیں نظر نہیں آتا۔ جو اسلام پہلے موجود تھا اب تو ہم اس سے بھی بڑے دور جاچکے ہیں۔ انگریزی تہذیب و تمدن جس قدر آج ہمارے ہاں رواج پاچکے ہیں ۱۹۴۷ء سے پہلے تو یہ حال نہ تھا۔ اس وقت چند اونچے گھرانوں کا یہ چلن تھا مگر آج پوری قوم کی تہذیب بن چکی ہے اس اعتبار سے ہمارا حال بہت دگرگوں ہے مگر مستقبل کے حوالے سے حضورؐ کی یہ پیشین گوئیاں موجود ہیں جن کے مطابق ایک بہت بڑے قائد کی حیثیت سے حضرت مھدی آئیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ان کا نام میرے نام پر ہوگا اور ان کی والدہ کا نام میری والدہ کے نام پر ہوگا۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہوگا

ہماری جدوجہد کا پہلا قدم دعوت رجوع الی القرآن اور آخری قدم دعوت رجوع الی الخلافت ہے۔

اور حضرت مسیحؑ ہی مقام "لد" پر دجال کو قتل کریں گے۔ آج یہی "لد" لڈا کے نام سے اسرائیل کا ایک بڑا فوجی ہوائی اڈہ ہے۔ اسی جگہ سے دجال اکبر بھاگنے کی کوشش میں ہوگا جب حضرت مسیحؑ اسے پکڑ کر قتل کردیں یہی وہ وقت ہوگا جب یہود کا قلع قمع ہوگا، ان کا ایک ایک بچہ قتل ہوگا۔ یہ وہ وقت ہوگا جب ایک طرف حضرت مسیحؑ کی شکل میں آسمان سے نصرت آئے گی اور دوسری جانب مشرق کی طرف سے مدد آئے گی۔ مشرق وہی علاقہ ہے جس میں ہم آباد ہیں۔ حدیث میں اسی علاقے کو خراسان سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ خراسان میں آج کا پورا افغانستان شامل ہے اور قدیم زمانے کے خراسان میں پشاور تک کا علاقہ بھی شامل تھا۔ اسی علاقے سے افواج کی صورت میں علم بردار گروہ یروشلم پہنچیں گے اور یہود سے مقابلہ کریں گے۔ جس طرح بجھنے سے پہلے چراغ آخری دفعہ بھڑکتا ہے، یہود کا یہ اقتدار، ان کا یہ عروج بجھتی ہوئی شمع کی آخری بھڑک کی مانند ہوگا۔ اس کے سوا اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لیکن یہود کی بجھتی ہوئی شمع کی آخری بھڑک سے جس طرح مسلمانوں کو مصائب و الام کا سامنا ہوگا اور جو سزا ملے گی اس کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ آج دنیا کے حالات بہت ہی تیز رفتاری سے بدل رہے ہیں۔ خلیج کی جنگ تمام حالات و واقعات کا سلسلہ آغاز ہے۔ ہمارے لئے ان حالات میں سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ نظام خلافت کیا تھا جو محمد عربیؐ کے ذریعے قائم ہوا؟ صرف لفظ خلافت ہی کی ہم تکرار کرتے رہیں اور نظام خلافت کی وضاحت نہ ہو تو ظاہر بات ہے کہ معاملہ آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ ہمیں دنیا کے سامنے واضح کرنا ہوگا کہ وہ نظام خلافت ہے کیا جو ہمارے پیش نظر ہے۔ پھر اس میں روح عصر کے تقاضوں کو بھی شامل کرنا ہوگا اس لئے کہ حالات میں بڑی تبدیلی واقع ہوچکی ہے۔ اب جہاں یہ ضروری ہے کہ روح دین بھی برقرار رہے، روح خلافت بھی قائم رہے وہاں یہ لازم ہے کہ عصر حاضر کے تقاضے بھی اس کے اندر سمو دئے جائیں۔ میں اپنی اس بات کو ایک مثال کے حوالے سے واضح کرنا چاہتا ہوں۔ ایک دور وہ تھا جب نوع انسانی بادشاہت کے علاوہ کسی اور طرز حکومت کو جانتی نہیں تھی تو اس زمانے میں خلافت بھی بادشاہت ہی کی شکل میں تھی۔ حضرت داؤد بادشاہ ہی تھے"**یَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاکَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ** "لیکن حضورؐ کے زمانے میں یہ خلافت مسلمانوں کی ایک مشترک متاع بن گئی، اسے اجتماعی حیثیت حاصل ہوگئی۔ اب مسلمانوں کو خود اپنے میں سے کسی فرد کو خلیفہ چننا ہے۔ اب خلافت نہ نسلی بنیادوں پر قائم ہوگی اور نہ ہی وراثت میں منتقل ہوگی۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے زمانے میں حکومت کا معاملہ جب نسل اور وراثت کے حوالے سے طے ہونے لگا تو یہ نظام نظام خلافت نہ رہا بلکہ ملوکیت میں تبدیل ہوگیا۔ اسی طرح عثمانی خلافت کو بھی ملوکیت ہی کا عہد حکومت کہا جائے گا۔ چنانچہ آج اگر ہم دنیا میں پھر سے خلافت کا نظام قائم کرنے چلے ہیں تو اس کی وضاحت ضروری ہے کہ اس کے اصول کیا ہوں گے۔ اگرچہ اس پہلو سے اس میں بعض علمی باتیں بھی آتی ہیں پھر بھی ہمیں ان سب باتوں کو سمجھنا

ہے تاکہ پہلے خود ہمارے' ہمارے ساتھیوں اور احباب کے ذہن میں صاف اور واضح ہوں تبھی ہم دوسرے لوگوں کے خدشات بھی دور کرسکیں گے' تبھی چراغ سے چراغ روشن ہوگا۔ میں آج اپنی بات بارہ نکات کی شکل میں پیش کررہا ہوں کہ خلافت راشدہ کا دور اولین کیا تھا اب اس نظام کی کیا شکل ہوگی؟

سب سے پہلا نکتہ دراصل نظام خلافت کا اصل تقاضا ہے یعنی یہ طے کردیا جائے کہ حاکمیت کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اس کے برعکس جمہوریت اس اعتبار سے ایک ملعون نظام ہے کہ اس میں حاکمیت کا اختیار عوام کو حاصل ہوتا ہے اور یہی چیز کفر ہے' شرک ہے' اس لئے کہ۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آزری

اس سے پہلے جمہوریت کے ساتھ اسلام کا لاحقہ لگا کر ہم اسے اسلامی جمہوریت کہتے رہے لیکن جمہوریت میں عوام کی حاکمیت کا بیج اتنا گہرا پڑا ہوا ہے کہ اسے نکالنے کی لاکھ کوشش کریں لیکن پھر بھی نہیں نکلتا علامہ نے جمہوریت کے اسی تصور کو بتان آزری سے تعبیر کیا مگر ان کے فرزند ارجمند ڈاکٹر جاوید اقبال پارلیمنٹ کی حاکمیت کا دعویٰ کررہے ہیں۔ یہ کلمہ کفر ہے جو ڈاکٹر جاوید اقبال ادا کررہے ہیں۔ اسلام میں اللہ کے علاوہ کسی کو حاکمیت کا اختیار حاصل نہیں اور ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو قرار داد مقاصد کی صورت میں پاکستان کے آئین میں طے کردیا گیا ہے۔ اس ضمن میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی جدوجہد کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ قرار داد مقاصد کی منظوری کے لئے مولانا شبیر احمد عثمانی کو یہ دھمکی بھی دینا پڑی کہ اگر دستور ساز اسمبلی قرار داد مقاصد کو منظور نہیں کرے گی تو میں اسمبلی سے باہر جا کر عوام سے کہوں گا کہ مسلم لیگ نے مسلمانوں کے ساتھ دھوکا کیا ہے' یہ لوگ اسلام نہیں چاہتے' انہوں نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے دھوکہ بازی کے ذریعے مسلمانوں کے ووٹ حاصل کئے ہیں۔ اس دھمکی کے بعد دستور ساز اسمبلی سے قرار داد مقاصد پاس ہوئی۔ اس قرار داد کو منظور کرانے کے لئے جماعت اسلامی نے بھی بڑی ہی منظم مہم چلائی جس کا پاکستان کے لوگوں نے ساتھ دیا تھا۔ جماعت اس وقت تک ایک سیاسی جماعت نہیں تھی' براہ راست مد مقابل کی حیثیت سے الیکشن کے میدان میں نہیں آئی تھی اس لئے جماعت کی اس مہم کی پذیرائی کی گئی کہ یہ اسلام کی بات ہے سیاست کی بات نہیں' یہ اقتدار کا کھیل نہیں ہے۔ بہرحال اس قرار داد کی منظوری میں جس کا جتنا ہاتھ ہے' جس کی جتنی کوشش ہے' اللہ تعالیٰ ان سب کو اجرو ثواب سے نوازے۔ الحمد للہ اس قرار داد مقاصد کی شکل میں ہمارے آئین میں خدا کی حاکمیت کو تسلیم کرلیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں عملاً تو موجود نہیں۔ اگرچہ وہ ہر جگہ موجود ہے لیکن درمیان میں غیب کا پردہ حائل ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا نفاذ در حقیقت کتاب و سنت کی غیر مشروط اور بلا استثناء بالادستی کے ذریعے ہی ممکن ہوسکتا ہے۔ دستور میں کتاب و سنت کی بالادستی اگر طے کردی جائے تو اس طرح اللہ کی حاکمیت کا تقاضا پورا ہوجاتا ہے۔

نظام خلافت میں خلیفہ سمیت کسی بھی شخص کو کوئی خصوصی تحفظ یا مقام امتیاز حاصل نہیں ہوگا۔

مگر ہم نے اس پہلو سے بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ بڑی چالبازیاں کی ہیں' اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے اور اس کی سزائیں بھی ہمیں مل چکی ہیں اور مل رہی ہیں۔ ۱۹۷۱ء میں پاکستان دولخت ہوا' ہندو کے ہاتھوں ہمارے ایک لاکھ جوان قیدی بنے لیکن پھر بھی ہم ہوش میں نہ آئے۔ غنیمت ہے کہ یہ خطہ ابھی باقی ہے تاہم اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی سے ہم باز نہ آئے تو ہوسکتا ہے کہ یہ خطہ بھی مختلف حصوں میں تقسیم ہوجائے۔ مشرقی پاکستان تو بنگلہ دیش بن کر ایک وحدت کی حیثیت سے موجود ہے لیکن اگر خدانخواستہ اس حصے کو کچھ ہوا تو اس کے کئی ٹکڑے ہونے کا اندیشہ ہے۔ جب تک ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی دھوکے بازی بند نہیں کریں گے' بحیثیت قوم شدید خطرے کی زد میں ہی رہیں گے۔

یہ دھوکے بازی کیا ہے؟ ہم نے دستور پاکستان میں یہ دفعہ رکھی کہ "قرآن و سنت کے خلاف قانون سازی نہیں ہوگی لیکن اس دفعہ کو راہنما اصول کی حیثیت دی گئی نہ کہ عملی اصولوں کی۔ اصول کی حد تک کتاب و سنت کی بالادستی قبول ہے مگر اس کی بنیاد پر عدالتوں میں کوئی معاملہ زیر بحث نہیں لایا جاسکتا تھا۔ ضیاالحق مرحوم کے دور اقتدار تک یہ دھوکے بازی چلتی رہی تاآنکہ ضیاء الحق نے ایک قدم آگے بڑھایا اور وفاقی شرعی عدالت قائم کردی جسے یہ اختیار دیا گیا کہ یہ عدالت جس قانون کو کتاب و سنت کے منافی سمجھے' اسے کالعدم قرار دے دے لیکن وفاقی شرعی عدالت کے معاملے میں ضیاء الحق نے ایک اور پہلو سے بہت بڑا دھوکہ کیا' یہ کہ فیڈرل شریعت کورٹ کو دو ہتھکڑیاں اور دو ہی بیڑیاں پہنا دی گئیں وہ نہ تو دستور پاکستان کے بارے میں اپنی رائے دے سکتی ہے اور نہ ہی عدالتی قوانین کا جائزہ لے سکتی ہے۔ پھر یہ کہ عدالت مالی قوانین کا جائزہ نہیں لے سکتی ہے اور حد یہ ہے کہ عائلی قوانین پر رائے دینے کی مجاز بھی نہیں۔ اس قدر پابندیاں اور جکڑ بندیاں لگا کر شرعی عدالت بنانے سے کیا کچھ حاصل ہوسکتا تھا؟ آج کے دور میں مالیات اور اقتصادات سب سے بڑی شے ہیں لیکن ان میں بھی شریعت کا دخل و اختیار پسند نہیں۔ عائلی قوانین جو ہمارے تمدن کی جڑ اور بنیاد ہیں' وہ بھی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار سے ابھی تک باہر ہیں۔ اگرچہ مالی قوانین کے ضمن میں دس سال کی مدت کے بعد ہتھکڑی از خود کھل گئی ہے چنانچہ وفاقی شرعی عدالت نے ۲۲ مالی قوانین کو سودی اور خلاف اسلام قرار دے کر حرام قرار دے دیا ہے اور حکومت کے پاس چھ ماہ کی مہلت موجود ہے کہ اس عرصے میں متعلقہ قوانین کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تشکیل دے سکے۔

موجودہ قومی اسمبلی نے وفاقی شرعی عدالت کے اختیارات محدود کرنے سے بھی بڑا دھوکہ کیا ہے۔ یوں کہ نفاذ شریعت ایکٹ بھی منظور کرلیا اور ساتھ ہی ہر قسم کے سودی کاروبار کو جاری رکھنے کی سند جواز بھی عطا کردی گئی اس فیصلے سے گویا بحیثیت قوم ہم نے اللہ کے ساتھ اعلان جنگ کردیا لیکن نام اس کا نفاذ شریعت ایکٹ رکھا۔ ہم تو حکمرانوں سے یہی کہہ سکتے ہیں کہ خدا را اللہ تعالیٰ کو دھوکہ مت دو' خدا کے لئے مسلمانوں کو دھوکہ مت دو' وزیراعظم نواز شریف نے نفاذ شریعت ایکٹ کے اعلان کے ساتھ دستور میں

ضروری ترمیم کا وعدہ بھی پوری قوم سے کیا تھا مگر یہ وعدہ وفا ہونے کی آج تک نوبت نہیں آسکی ہے۔ جب تک دستور میں یہ ترمیم نہیں ہوتی کہ کتاب و سنت کو پاکستان کے دستور اور نظام و قوانین سب پر بالادستی حاصل ہوگی اس وقت تک نتیجہ خیز پیش رفت نہیں ہوسکتی۔ آئین میں کتاب و سنت کی بالادستی طے کردی جائے تو یہ معاملہ اعلیٰ عدالتوں کے ذریعے طے ہوتا رہے گا کہ کونسا قانون یا ضابطہ خلاف اسلام ہے کونسا نہیں۔ یہ اختیار اسمبلی کے ممبران کو نہیں دیا جاسکتا کہ ان کی عظیم اکثریت ان پڑھ ہوتی ہے اور جو لوگ پڑھے لکھے ہیں، تعلیم یافتہ ہیں وہ بھی مغربی تعلیم سے آراستہ ہیں۔ انہیں دین کا علم حاصل نہیں۔ یہ کام تو عدالت ہی کرسکتی ہے۔ وہاں علماء بھی اپنے دلائل پیش کریں، دانشور حضرات بھی اپنا نکتہ نظر پیش کریں۔ سب اہل علم حضرات کے لئے موقع ہوگا کہ عدالت کے سامنے اپنی بات رکھیں اس لئے کہ عدالت کے فضا تو سیاسی جلسے سے بہت مختلف ہوتی ہے، عدالت ان پڑھ لوگوں کی پارلیمینٹ نہیں ہوتی۔ ایک بزرگ جو اب فوت ہوچکے ہیں وہ "پڑھے لکھے ان پڑھ" کی اصطلاح استعمال کیا کرتے تھے۔ ایک شخص نے ایک طرف ایم بی بی ایس کیا ہوا ہے، پی ایچ ڈی کی ڈگری کا حامل ہے لیکن دوسری طرف دین کا ایک حرف بھی نہیں پڑھا تو اس حوالے سے وہ جاہل مطلق ہوتے ہیں جبکہ اسمبلی میں تو "چٹے ان پڑھ" بھی ہوتے ہیں جو زمینداری اور وڈیرا شاہی کی وجہ سے وہاں پہنچ جاتے ہیں شریعت کے حلال و حرام کا فیصلہ ایسے لوگوں کے حوالے نہیں کیا جاسکتا۔

خلافت راشدہ کے عہد میں خلافت کا منصب مسلمانوں کے باہمی مشورے سے پر کیا جاتا تھا۔ اس ضمن میں حضرت عمرؓ کا خطبہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ آپؓ کا یہ خطبہ مسند احمدؒ میں بھی موجود ہے اور اسے امام بخاریؒ نے بھی اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ ایک موقع پر حضرت عمر فاروقؓ کو جب یہ اطلاع ملی کہ کچھ لوگ اس طرح کی باتیں کررہے ہیں کہ اگر کسی وقت اچانک عمرؓ کا انتقال ہوجائے تو اس صورت میں ہم فوراً فلاں شخص کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرلیں گے تو حضرت عمرؓ نے اس حوالے سے مدینہ میں ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا: "لوگو! میں تمہیں ان لوگوں کی سازش سے خبردار کرنا چاہتا ہوں جو تمہیں تمہارے حق سے محروم کرنا چاہتے ہیں اس لئے کہ خلیفہ کا انتخاب مسلمانوں کے باہمی مشورے سے ہی ہوسکتا ہے۔ اگر خلیفہ کے منصب کے لئے کسی شخص کی اچانک بیعت کرلی گئی تو وہ بیعت بیعت ہی نہیں ہوگی۔" صحیح بخاری میں تو الفاظ یہ بھی ہیں کہ "جس کی بیعت کی گئی ہوگی نہ اس کی کوئی حیثیت ہوگی اور نہ بیعت کرنے والے کی بیعت کی "--- ایسے سب کے سب لوگ نااہل ہوجائیں گے۔ خلافت کا منصب اگر "**مِنْ غَیْرِ مَشْوَرَةِ الْمُسْلِمِیْن**" کے ذریعے طے ہوا تو ایسا فعل خلاف اسلام ہوگا۔ یہ بات بھی سمجھ لیجئے، اس وقت اگرچہ آج کی طرح بیلٹ بکس نہ تھے، انتخابات کا باقاعدہ نظام موجود نہ تھا، تاہم صحابہ کرامؓ کے مابین ایک درجہ بندی قائم تھی۔ اصحاب بدر بھی معین تھے، عشرہ مبشرہ بھی معلوم و معروف تھے اور بیعت رضوان کے حوالے سے

کوئی شہری روٹی، کپڑے اور مکان جیسی بنیادی ضروریات سے محروم رہا تو خلافت کا حق ادا نہیں ہوسکے گا۔

اصحاب شجرہ بھی موجود تھے۔ اب اس طرح کی درجہ بندی موجود نہیں ہے۔ اسی طرح وہاں قبائلی نظام رائج تھا اور اس نظام میں ایک ایک آدمی سے رائے نہیں لی جاتی لیکن آج تمام مسلمان ایک ہی حیثیت کے مالک ہیں۔ اب تو مسلمانوں کے باہمی مشورے کی ایک ہی شکل ہے کہ تمام مسلمان اپنا ووٹ استعمال کریں، مرد بھی اور عورتیں بھی۔ اکثریتی ووٹ حاصل کرنے والا شخص خلیفہ کے منصب کا اہل ہوگا۔ اگرچہ بعض حضرات کا یہ موقف بھی سامنے آیا ہے کہ ووٹ دینے کا حق صرف اہل تقویٰ کو حاصل ہونا چاہیے، ووٹ دینے والا کم از کم نماز کا تو پابند ہو لیکن آج کے دور میں اس طرح کی سب باتیں غلط ہیں اس لئے کہ امام ابو حنیفہؒ نے اس بات کو ہمیشہ کے لئے طے کردیا کہ "**اَلْمُسْلِمُ کُفُوٌ لِکُلِّ مُسْلِمٍ**" مسلمان فاسق ہو یا متقی ہو، دونوں کے قانونی حقوق یکساں ہوں گے۔ یہ بات جان لیجئے کہ اسلام کا قانون یہ ہے کہ تقویٰ اور فسق و فجور دونوں کا ثواب و عذاب آخرت سے متعلق ہے۔ اس دنیا میں سماجی سطح پر تمام مسلمان یکساں حیثیت کے حامل ہیں اور قانون کی سطح پر بھی تمام مسلمان باہم برابر ہیں۔ اس بات کو نہایت سادہ مثال سے سمجھئے۔ ایک باپ کے اگر دو بیٹے ہوں جن میں سے ایک متقی ہو، تہجد گزار ہو اور دوسرا فاسق ہو اور نماز کے قریب بھی نہ پھٹکتا ہو تب بھی دونوں کو وراثت میں ایک جیسا حصہ ملے گا۔ متقی کو زیادہ، فاسق کو کم نہیں۔ اسی بنیاد پر ووٹ کا حق ہر مسلمان کو حاصل ہے۔ یہی روح عصر بھی ہے اور آج کے دور کا تقاضا بھی۔

پورے ملک کی سطح پر خلیفہ کا براہ راست انتخاب ہوگا۔ اس اصول کو اختیار کرنے سے چھوٹے چھوٹے اور علاقائی وڈیرے غیر موثر ہوجائیں گے۔ لوگ لازماً یہ دیکھیں گے کہ کون شخص خلیفہ کے منصب کی واقعی اہلیت رکھتا ہے۔ ہمارے عوام کے اندر شعور ہے چاہے ان کی اکثریت کا طرز عمل فاسق و فاجر لوگوں ہی سے مشابہت کیوں نہ رکھتا ہو۔ عوام خوب جانتے ہیں کہ اسلام کیا ہے اور کیا نہیں ہے لہٰذا اس طریق کار کے تحت اپنی رائے کسی اہل تر شخص کے حق ہی میں دیں گے۔ البتہ یہ اصول طے کرنا پڑے گا کہ جو لوگ انتخابات کے لئے آگے آئیں، یہ چاہے خلیفہ کے منصب کا انتخاب لڑرہے ہوں یا مجلس ملی یعنی پارلیمینٹ کا، ہر دو صورتوں میں ان کے کردار و اخلاق کی پوری چھان بین ضروری ہوگی۔ اس لئے کہ ایسے لوگ حرام خوری کرنے والے نہ ہوں، بدکردار نہ ہوں تب ہی بات بنے گی۔ میرے خیال میں ہر ووٹر کے لئے اس طرح کی شرائط عائد کرنا ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح سے یہ مسئلہ حل ہوسکتا ہے اور عوام الناس کو حق رائے دہی حاصل ہوجاتا ہے۔

خلافت کے نظام میں چوتھی بات غیر مسلموں کی حیثیت سے متعلق ہے۔ اسلامی ریاست میں غیر مسلم برابر کا شہری نہیں ہوسکتا، غیر مسلم ذمی ہوگا۔ ہمارے یہاں تو عجیب و غریب تماشے ہوتے رہے ہیں، ضیاء الحق نے مجلس شوریٰ بنائی تو اس میں مسلمان تو تھے ہی، ان کے ساتھ ساتھ ہندو، عیسائی اور پارسی بھی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ کیا ایسے ایوان کو مجلس شوریٰ کا نام دیا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں! میں بھی غلطی سے اس

شوریٰ کا رکن بن گیا تھا لیکن صرف دو مہینے کے بعد ہی میں نے اسے چھوڑ دیا۔ خلافت کے نظام میں ایسا نہیں ہوسکتا۔ البتہ غیر مسلم رعایا کو ہر طرح کا تحفظ حاصل ہوگا ۔ ان کی جان ' عزت' آبرو اور مال کی حفاظت کی ذمہ دار اسلامی ریاست ہوگی اور اسی حوالے سے اسلامی ریاست کے غیر مسلم باشندوں کو "ذمی" کہا جاتا ہے۔ غیر مسلم رعایا کی جان بھی اتنی ہی محترم ہوگی جتنی کسی مسلمان کی محترم ہوتی ہے۔ ان کی عزت و آبرو بھی اتنی ہی محترم ہے جتنی کسی مسلمان کی' ان کی جائداد کی حفاظت کا اتنا ہی اہتمام ہوگا جتنا کسی مسلمان کی جائیداد کا اہتمام ہوگا۔ انہیں عقیدہ و عبادت کی مکمل آزادی حاصل رہے گی' ان کی عبادت گاہیں اتنی ہی مقدس اور محترم ہونگی جتنی خود مسلمانوں کی مسجدیں سمجھی جاتی ہیں' انہیں اپنے مذہب کی تبلیغ' اپنی آئندہ نسلوں اور اپنی ہم عقیدہ قوم میں کرنے کا حق حاصل ہوگا اگرچہ یہ لوگ مسلمانوں میں اپنے مذہب کی تبلیغ نہیں کرسکیں گے۔

پاکستان میں عیسائیت کو تیزی سے فروغ حاصل ہورہا ہے اور اقلیتی رکن قومی اسمبلی جے سالک کے مطابق مسیحی آبادی ۷۵ لاکھ کے قریب پہنچ چکی ہے اگر چہ یہ اعداد و شمار کسی طرح بھی صحیح نہیں ہیں لیکن پھر بھی عیسائیت کو پاکستان میں فروغ تو دیا جارہا ہے' پوری دنیا سے عیسائیت کے فروغ کے لئے چندے آتے ہیں۔ عیسائی مشنریوں کے سالانہ بجٹ بعض ممالک کے بجٹ کے رقوم سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ جیسے لکڑی کو دیمک اندر ہی اندر چٹ کر جاتی ہے ویسے ہی ہمارے معاشرے میں عیسائیت کی تبلیغ ہورہی ہے۔ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا جاچکا ہے لیکن اس کے باوجود قادیانیوں کی تبلیغ کا سلسلہ جاری ہے اور یہ سلسلہ تبلیغ پورے زور کے ساتھ اندر ہی اندر چل رہا ہے۔ اسلامی ریاست میں کوئی غیر مسلم رعایا برابر کے شہری کی حیثیت نہیں رکھتی' خلیفہ کے انتخاب میں یہ لوگ رائے دینے کے مجاز نہ ہوں گے۔ ایسے لوگ نہ تو مجلس شوریٰ کے رکن بن سکیں گے اور نہ اراکین شوریٰ کے انتخاب میں ووٹ دینے کے اہل ہوں گے۔ تکنیکی نوعیت کی ملازمتوں میں ان لوگوں کے لئے راستہ کھلا ہوگا چنانچہ طب کا شعبہ ہو یا انجینئرنگ کا میدان' ایسے شعبہ جات میں ان کے لئے گنجائش ہوگی لیکن جہاں تک قانون سازی اور پالیسی سازی کا تعلق ہے اس میں کسی غیر مسلم کو شریک نہیں کیا جائے گا۔ یہی نظام خلافت راشدہ کے عہد میں رائج تھا اور اب بھی یہی اصول کارفرما ہوگا۔ ایسے لوگوں سے جزیہ لیا جائے گا **يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ** "جزیہ" کوئی گالی نہیں ہے بلکہ قرآنی اصطلاح ہے۔ جزیہ کا لفظ جزا سے بنا ہے جبکہ ذمی ذمہ سے بنا ہے۔ میری اس بات کو ایک مثال سے سمجھئے۔ جب جہاد کا اسلامی فریضہ جاری تھا اسی دوران شام کا ایک شہر مسلمانوں کے قبضے میں آگیا تو متعلقہ حکام نے وہاں کے باشندوں سے جزیہ کی رقم وصول کر لی۔ جزیہ کی وصولی کے بعد ایسی صورت حال بن گئی کہ مسلمانوں کو یہ شہر چھوڑنا پڑ رہا تھا' دفاعی اقدام کے طور پر اسے خالی کرنا ضروری تھا۔ اس موقع پر اسلامی افواج کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولیدؓ نے غیر مسلم رعایا کو بلایا

اسلامی ریاست کے غیر مسلم باشندوں کو برابر کے شہری حقوق حاصل نہ ہونگے بلکہ انہیں "ذمی" کی حیثیت حاصل ہوگی۔

اور ان کی پوری رقم یہ کہہ کر واپس کردی کہ ہم نے آپ لوگوں سے آپ ہی کی حفاظت کے عوض "جزیہ" کی صورت میں رقم لی تھی' حفاظت کا معاوضہ لیا تھا لیکن اب چونکہ ہمیں اس شہر کو چھوڑنا پڑرہا ہے اور ہم آپ لوگوں کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لے سکتے لہٰذا جزیہ کی یہ رقم واپس کی جاتی ہے۔ اس موقع پر وہاں کی عیسائی آبادی دھاڑیں مار مار کر رونے لگی کہ ایسے راست باز' بااخلاق لوگ تو ہم نے آج تک دیکھے ہی نہیں۔ ہمارے حاکم تو ظالم تھے لیکن مسلمانوں کی دیانت کا یہ عالم ہے کہ جزیہ کی رقم بھی ہمیں واپس کردی گئی ہے۔ اسلامی ریاست میں ہندو' عیسائی' قادیانی اور پارسی وغیرہ سب کو اپنی حفاظت کے عوض حکومت کو ایک ٹیکس ادا کرنا ہوگا اس ٹیکس کا نام "جزیہ" ہے۔ اب ہمیں اپنے اندر ایسی جرات پیدا کرنا ہوگی کہ اس طرح کی باتیں ہم ڈنکے کی چوٹ کہہ سکیں اور روایتی معذرت خواہانہ انداز فکر ترک کردیں۔

پانچویں چیز نماز کے نظام کا قیام ہے۔ آپ کہیں گے کہ نماز کا نظام تو اب بھی قائم ہے۔ تو حقیقت یہ ہے کہ نماز کا نظام قائم نہیں ہے اس لئے کہ خالص حنفی فقہ کے مطابق یہ مساجد مساجد نہیں' یہ نمازیں نمازیں نہیں ہیں۔ اسلام میں دوئی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ حضور مسجد نبویؐ کے خطیب بھی تھے اور امام بھی اور یہی معاملہ تمام خلفاء راشدین کا ہے۔ اسی طرح درجہ بدرجہ تمام عامل نماز جمعہ کی امامت کا فریضہ بھی ادا کرتے تھے اور مملکت کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے۔ حنفی فقہ ہی کے مطابق حکومت کی اجازت کے بغیر کوئی شخص جمعہ نہیں پڑھا سکتا۔ نماز پنجگانہ کا اہتمام عام مساجد میں ہر کوئی کرسکتا ہے اور پڑھا بھی سکتا ہے مگر جامع کا انتظام حکومت کی اجازت اور نظم کے تحت ہی قائم ہوسکتا ہے آج کی طرح کا معاملہ نہیں کہ چلتا پھرتا کوئی آدمی لا کر مصلے پر کھڑا کردیا اور اسے امام کہہ دیا۔ ایسے تصور دین و مذہب پر ہی علامہ نے پھبتی چست کی تھی۔

قوم کیا چیز ہے' قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بے چارے دو رکعت کے امام

ان کی جو عزت معاشرے میں ہے وہ ہم سب کو معلوم ہے دیہات کی مسجد کا مولوی زمیندار کے "کمی" سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اور شہروں کے اندر بھی مولوی حضرات انتظامیہ کمیٹی ہی کے دست نگر ہوتے ہیں۔ ہاں چالاک اور ذہین و فطین لوگوں کے اس حوالے سے بڑے ٹھاٹھ کے دھندے ضرور چل رہے ہیں اگرچہ ان میں بہت سے متقی' پرہیز گار اور خدا ترس بھی ہیں۔ پوری ریاست کے تحت نماز کا نظام قائم ہوگا اور خلیفہ وقت دارالخلافہ کی جامع مسجد کا خطیب و امام خود ہوگا۔ صوبائی صدر مقامات اور درجہ بدرجہ دیگر جگہوں پر بھی اسی طریقے سے نماز کا اہتمام ہوگا۔

زکوٰۃ کے شرعی فریضے کو بھی ہم نے بہت زیادہ بدنام کررکھا ہے اور بدقسمتی سے ضیاء الحق کے زمانے میں اس ضمن میں جو قدم اٹھایا گیا اس نے زکوٰۃ کو بدنام کردیا۔ زکوٰۃ کا اصل مقصد ہے کیا؟ اسے سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ زکوٰۃ کا اسلام کے معاشی شعبے میں بہت اہم حصہ ہے۔ ہر شہری کی بنیادی ضروریات کی کفالت اسلامی ریاست کی اولین ذمہ داری ہے۔ کوئی شخص بھوکا

رہتا ہے تو اس کی ذمہ داری ریاست پر عائد ہوگی۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ "اگر دجلہ و فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا مرگیا تو قیامت کے دن اس کی جواب دہی عمرؓ سے ہوگی"۔ معلوم ہوا کہ ہر شہری کے لئے روٹی' کپڑا' مکان' لباس اور تعلیم جیسی بنیادی ضروریات کی فراہمی ریاست کے ذمے ہے' ان کی فراہمی نظام خلافت کا فرض ہے۔ اگر کبھی ذوالفقار علی بھٹو نے روٹی کپڑے اور مکان کا نعرہ لگایا تو یہ کوئی کافرانہ نعرہ نہ تھا اگرچہ سیاسی اختلافات کی وجہ سے اس نعرے کے خلاف ۳۱۳ علماء کے فتوے بھی جاری ہوئے تھے۔ روٹی ' کپڑے اور مکان کا نعرہ کافرانہ نعرہ نہیں ہے بلکہ یہ چیزیں انسان کی بنیادی ضروریات میں داخل ہیں اور ان کا حصول ہر شہری کا حق ہے۔ اگر آپ اسلام کا نظام خلافت قائم کرنے کی بات کرتے ہیں تو یہ ذمہ داری آپ کو نبھانی پڑے گی کہ کوئی شہری روٹی' کپڑے اور مکان جیسی بنیادی ضروریات سے محروم رہا تو خلافت کا حق ادا نہیں ہوگا۔ قول و عمل کا تضاد جلد ہی لوگوں کے سامنے آجاتا ہے' بھٹو کی وڈیرہ شاہی جلد ہی سامنے آگئی۔ اسے تاریخ میں بہت بڑا موقع حاصل ہوا تھا۔ وہ چاہتا تو جاگیرداری نظام کا خاتمہ کرسکتا تھا۔ اگرچہ اس کا دین کے ساتھ عملی تعلق نہیں تھا لیکن وہ اس ملک کا ماوزے تنگ تو بن ہی سکتا تھا لیکن وہ اپنی جاگیردارانہ کھال سے باہر نہ نکل سکا۔ تاہم جو نعرہ اس نے لگایا' وہ صحیح تھا" **کلمۃ حق ارید بھا الباطل**" ہر شہری کی بنیادی ضروریات پورا کرنا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلامی ریاست یہ سب کچھ کیسے فراہم کرے گی' نظام خلافت ہر شہری کو بنیادی ضروریات کہاں سے فراہم کرے گا؟ یہ سب کچھ زکوٰۃ کی مد سے پورا ہوگا۔ بھٹو نے روٹی' کپڑے اور مکان کا نعرہ لگایا اور اس تصور کو بدنام کردیا اسی طرح ضیاء الحق نے زکوٰۃ کو بدنام کردیا کہ صرف بینک ڈیپازٹ میں سے زکوٰۃ کاٹی جائے گی یعنی سود میں سے زکوٰۃ کاٹ لو نجاست میں سے نجاست منہا کرلو اس لئے کہ بینک ڈیپازٹ پر لوگوں کو سود ملتا ہے اور یہی سود سب سے بڑی نجاست اور گندگی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ انسانی فضلہ بھی اس قدر گندگی کا حامل نہیں ہے جس قدر سود گندگی کا حامل ہے۔ جتنا بڑا جرم اور گناہ سود ہے اتنا بڑا دوسرا کوئی جرم نہیں اس لئے کہ حضورؐ نے فرمایا" **الربا سبعون جزءا ایسرھا ان ینکح الرجل امہ**" یعنی سود کے گناہ کے ستر حصے ہیں اور اس کا ہلکا ترین حصہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کا ارتکاب کرے۔ اس سود میں سے آپ نے ڈھائی فی صد شرح سے نجاست منہا کرلی اور اسے زکوٰۃ کا نام دے دیا حالانکہ بعض علماء کے نزدیک بینک ڈیپازٹ اموال باطنہ کی ذیل میں آتا ہے اور اموال باطنہ پر حکومت جبرا زکوٰۃ وصول نہیں کرسکتی۔ یہی موقف مولانا مفتی محمودؒ کا تھا اور اموال باطنہ اور اموال ظاہرہ کے مسئلے پر بحث و تمحیص کے دوران ہی مفتی صاحب کراچی میں قائم بنوری ٹاؤن کے مدرسے میں انتقال کرگئے۔ حکومت اموال ظاہرہ پر جبرا زکوٰۃ وصول کرسکتی ہے' اس میں مال تجارت سرفہرست ہے اور مال تجارت کی کل مالیت پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے نہ کہ

پوری ریاست کے تحت نماز کا نظام قائم ہوگا اور خلیفہ وقت دارالخلافہ کی جامع مسجد کا امام و خطیب خود ہوگا۔

منافع پر۔ کاروبار میں نفع ہو یا نقصان اس سے کوئی بحث نہیں' حاضر مال پر زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گی۔ اسی طرح کارخانوں اور فیکٹریوں کا معاملہ ہے۔ کارخانوں کی زمین' ان کی عمارت' ان کی مشینری کارخانے کے اوزار و آلات سب زکوٰۃ سے مستثناء ہوں گے لیکن کارخانے میں تیار مال اور خام مال دونوں کی مالیت کو جمع کر کے ڈھائی فی صد کے حساب سے زکوٰۃ منہا کرلی جائے گی۔ زکوٰۃ کے اس نظام سے اس مد میں اس قدر روپیہ جمع ہوجائے گا کہ ریاست ہر شہری کی بنیادی ضروریات کی فراہمی کا ذمہ لے سکتی ہے اور وہ وقت بھی آسکتا ہے جب لوگ اپنے اموال باطنہ کی زکوٰۃ لئے لئے پھریں گے لیکن اسے لینے والا کوئی نہ ہوگا جیسے خلافت راشدہ کے دور میں ہوا تھا۔ آج دنیا میں کافروں نے یہ سب کچھ کر کے دکھا دیا ہے وہاں ویلفیئر کا نظام بہت ہی مضبوط بنیادوں پر استوار ہے جو ہر بے روزگار' معذور اور مجبور شہری کی کفالت کا ضامن ہے یہاں بھی ہر صاحب نصاب مسلمان زکوٰۃ دینے کے لئے تیار ہے لیکن آپ انکم ٹیکس کی لعنت کا خاتمہ تو کریں' دوسرے لعنتی قسم کے ٹیکس بھی ختم کریں نظام خلافت کے تحت زکوٰۃ کا جو نظام قائم ہوگا اس میں ان تمام ٹیکسوں سے لوگوں کو نجات حاصل ہوجائے گی۔ انکم ٹیکس کے نظام نے ہر کاروباری آدمی کو جھوٹا اور بے ایمان بنا دیا ہے اس لئے کہ اسے غلط گوشوارہ داخل کرنا پڑتا ہے ورنہ کاروبار کی بساط تہہ کرنا پڑتی ہے۔ آدمی جب ایک دفعہ کسی معاملے میں جھوٹ بولتا ہے چاہے مجبوراً ہی سہی' پھر جھوٹ اس کی زندگی میں داخل ہوجاتا ہے اور ہر معاملے میں جھوٹ کی حکمرانی قائم ہوجاتی ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ سود کو بھی چھوڑ دو اور جس چیز میں سود کا شائبہ بھی پایا جاتا ہو' اسے بھی چھوڑ دو۔ دور ملوکیت میں بہت سی غلط چیزوں کے جواز کا فتویٰ دے دیا گیا تھا جیسے ادھار مال کی فروخت پر زائد بھاؤ لگانا جائز سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ سود ہی کی شکل ہے کہ اگر یہ سود نہیں تو سود اور کس بلا کا نام ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے فرد کو ایک سو روپیہ قرض دے اور ۱۰ روپے کا اضافہ مانگے تو یہ سود ہے لیکن اگر سو روپے کی کوئی شے ادھار بیچے اور ۱۱۰ روپے لے سکتا ہو تو یہ بھی تو سود ہی ہے سینیٹر حافظ حسین احمد کا اخبارات میں بیان آپ لوگوں نے بھی پڑھا ہوگا جس میں انہوں نے اپنے اس خدشے کا اظہار کیا ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کی وجہ سے اب حکومت سود ہی کو سند جواز عطا کرنے کی کوشش کرے گی۔ بیع موجل اور بیع مرابحہ کی آڑ میں سود کو جائز قرار دلوانے کی کوشش ہوگی۔ اس موضوع پر مفتی سیاح الدین کاکاخیلؒ کا تفصیلی مضمون "حکمت قرآن" کے ماہ جنوری ۹۲ء کے شمارے میں موجود ہے تفصیل کے طالب مذکورہ شمارہ حاصل کرسکتے ہیں۔

آٹھویں بات جاگیرداری کا سدباب ہے۔ میری گفتگو میں بار بار حضرت عمرؓ کا نام آرہا ہے۔ ہوسکتا ہے بعض لوگوں کو اس سے کچھ تکلیف بھی محسوس ہوتی ہو کہ انہیں ہر معاملے میں عمرؓ ہی نظر آتے ہیں۔ اس کی بھی ایک وجہ ہے اور وہ یہ کہ اسلامی نظام خلافت کی برکات پوری طرح حضرت عمرؓ کے دور خلافت ہی میں ظاہر ہوئی تھیں۔ حضورؐ کی حیات طیبہ میں انقلابی جدوجہد کا مرحلہ سر کیا

جارہا تھا' ہر طرف جہاد و قتال کے معرکے برپا تھے جبکہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں ہر چہار طرف سے، فتنہ عناصر کھڑے ہوگئے تھے' یہ لوگ مانعین زکوٰۃ کی شکل میں بھی سامنے آئے اور جھوٹے مدعیان نبوت کی صورت میں بھی ظاہر ہوئے حضرت ابوبکرؓ کا مختصر عہد حکومت ان سازشوں کو ختم کرنے ہی میں ختم ہوگیا۔ خلافت راشدہ کے نظام کا پھول پوری طرح دور فاروقیؓ کے عہد میں کھلا اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے پہلے دس برس بھی اسی شان و شوکت کے حامل تھے جس میں خلافت راشدہ کی برکات اپنے عروج پر نظر آئی تھیں۔ چنانچہ جاگیرداری نظام کے خاتمے کے ضمن میں بھی حضرت عمرؓ کا اجتہاد ہی فیصلہ کن امر بن کر سامنے آتا ہے۔ عہد فاروقی میں مسلمان افواج نے عراق' مصر اور شام جیسے علاقے بھی فتح کرلئے تو مجاہدین نے حسب دستور مفتوحہ زمینوں کی تقسیم کا مطالبہ کیا کہ یہ اراضی مال غنیمت ہے اور غنیمت کے مال کی تقسیم کا قانون یہ ہے کہ پانچواں حصہ ریاست یعنی بیت المال کا ہے اور باقی مجاہدین میں تقسیم ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے مفتوحہ زمینوں کا معاملہ شوریٰ کے سامنے رکھا۔ بڑی طویل بحث و تمحیص اور ردو قدح کے بعد طے ہوا کہ مفتوحہ اراضی پر مال غنیمت کا قانون لاگو نہیں ہوگا بلکہ اس پر مال فے کے مصارف کا اطلاق ہوگا۔ اس بنا پر تمام تر اراضی بیت المال کی ملکیت قرار پائی اور اس کا خراج براہ راست بیت المال میں پہنچنے لگا اور یہی خراج تمام مسلمانوں کی اجتماعی بہبود پر خرچ ہوتا رہا۔ حضرات! اچھی طرح سمجھ لیجئے اس وقت حضرت عمرؓ یہ اراضی مجاہدین میں تقسیم کردیتے تو بد ترین قسم کا جاگیردارانہ نظام لازما قائم ہوجاتا۔ جیسے زکوٰۃ کے ضمن میں میں نے آپ حضرات کے سامنے اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ کی دو تقسیمیں رکھی ہیں ویسے ہی اراضی کے ضمن میں عشری اراضی اور خراجی اراضی کی دو اقسام ہیں۔ جو علاقے کسی بھی وقت مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کئے ہوں ان کی زمینیں قیامت تک کے لئے خراجی قرار پاتی ہیں۔ پاکستان کی اکثر و بیشتر اراضی بھی خراجی ہے۔ پاکستان کی زمینیں کسی شخص کی ملکیت نہیں ہیں' کسی کے باپ کی جاگیر نہیں ہیں' یہ جاگیریں تو مغل اور انگریز حکمرانوں نے اپنے حواریوں اور کاسہ لیسوں کو مسلمانوں سے غداری کے عوض انعام میں دی تھیں لہٰذا جاگیرداروں اور زمین داروں کا حق ملکیت از خود ساقط ہوجاتا ہے ہمیں ایک نیا بندوبست اراضی تشکیل دینا ہوگا تاکہ زمین کے سینے کو چیرنے والے اور اس میں اپنا خون جگر دینے والے کاشتکار کو بھی اس کی محنت کا معاوضہ مل سکے! یہ کاشتکار' یہ کسان' یہ ہاری سب کے سب حیوانوں کی سطح پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ کبھی کیمونزم کے سرخ سویرے کی طرف دیکھتے ہیں تو کبھی کوئی دھوکہ باز کوئی اور سبز باغ دکھا کر انہیں اپنے ساتھ لگا لیتا ہے۔ اس معاملے میں بھی اصل جرم ہمارا ہے کہ اسلام نے جو حل دیا ہے وہ تو ہم اختیار نہیں کرتے لہٰذا یہ لوگ پھر چاروناچار کسی دوسرے "ازم" کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ بہر حال جاگیرداری کا سدباب حضرت عمرؓ نے اپنی بے پناہ بصیرت کی بناء پر کردیا تھا اور آج بھی اسی اجتہاد کو بنیاد بنا کر ہم موجودہ

حضرت عمر فاروقؓ کے اجتہاد کو بنیاد بنا کر پاکستان میں قائم موجودہ جاگیرداری نظام ختم کردیا جائے گا۔

زمینداری نظام کو ختم کرسکتے ہیں۔

نویں بات یہ ہے کہ نظام خلافت میں شراب اور جوئے پر مکمل پابندی عائد ہوگی کہ یہ چیزیں "رِجسٌ مِّن عَمَلِ الشَّیطٰن" کے قبیل سے تعلق رکھتی ہیں۔ سیف گیم رفل کے نام سے لاٹری کی شکل میں جوا ہو یا فاطمید رفل ٹکٹ' یہ سب شیطانی دھندہ ہے۔ لاٹری کی شکل میں جوئے کی لعنت بھی ہماری گھٹی میں پڑی ہوئی ہے جیسے انگریز سود کی لعنت کو ہمارے گلے کا ہار بنا گیا تھا ویسی ہی خباثت جوئے کی شکل میں بھی چھوڑ گیا ہے۔ شراب اور جوئے کو قرآن مجید میں ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے وہ اس لئے کہ یہ دونوں اشیاء انسانوں کو محنت سے دور بھگا دیتی ہیں' شراب کے نشے میں دھت انسان حقائق کا سامنا کرنے کی بجائے ان سے گریز کی راہ اختیار کرتا ہے اور جوا محنت کی بجائے داؤ کھیلنے کی ترغیب ہی کا دوسرا نام ہے۔ در اصل یہ دونوں چیزیں انسانی شرافت اور وقار کے منافی ہیں۔ حقائق کا دلیری کے ساتھ سامنا کرنا ہی اصل مردانگی ہے اور محنت ہی انسان کا زیور ہے اس لئے کہ ۔

محنت ہے عجب چیز جہان تگ و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاج سردارا

نظام خلافت میں کامل انسانی مساوات کا تصور کارفرما ہوگا۔ تمام انسان برابر سمجھے جائیں گے نہ کوئی اونچا ہوگا اور نہ کوئی نیچا' کوئی سید اونچا اور کوئی مصلی نیچا نہیں۔ ایسے تمام تصورات کو ختم کرنا ہوگا' نکالنا ہوگا' ان کی جڑیں کھودنا ہوں گی اس لئے کہ اسلام میں اونچ نیچ کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ اسی طرح قانون کی نظر میں سب لوگ برابر ہوں گے۔ حضرت عمرؓ حضرت بلال حبشیؓ کو ہمیشہ سیدنا بلال کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ اسلام کے عدالتی نظام میں یہ تصور موجود نہیں ہے کہ سربراہ مملکت یا خلیفہ وقت عدالت میں حاضری سے مستثناء رہے۔ یہ تو خیراتنی انہونی بات نہیں ہے لیکن نظام خلافت ہی میں خلیفہ وقت کا مقدمہ بھی عدالت سے اس وقت خارج کردیا گیا تھا جب حضرت علیؓ کا مقدمہ قاضی شریحؒ کی عدالت میں زیر سماعت تھا۔ یہ مقدمہ اس لئے خارج ہوگیا تھا کہ حضرت علیؓ کے پاس مطلوبہ گواہی موجود نہ تھی' غلام اور بیٹے کی گواہی کے علاوہ ان کے پاس کوئی دوسری شہادت موجود نہ تھی لہٰذا مقدمہ خارج ہوگیا۔ اسلام کے اس قدر بے لاگ انصاف کو دیکھ کر شریک مقدمہ یہودی اسلام لے آیا۔ چنانچہ سربراہ مملکت کو حاصل خصوصی تحفظات ہوں یا ممبران اسمبلی کا استحقاق ہو' یہ سب غیر اسلامی چیزیں ہیں۔ اسلام میں خلیفہ کو بھی کوئی خصوصی تحفظ یا مقام امتیاز حاصل نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ ضرورت محسوس ہو کہ کہیں بدمعاش قسم کے لوگ ہروقت خلیفہ کو مقدمہ بازی ہی میں نہ پھنسائے رکھیں تو اس کا سدباب بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس معاملے کو بھی حد قذف پر قیاس کرتے ہوئے حل کیا جاسکتا ہے کہ خلیفہ وقت پر جھوٹا اور غلط مقدمہ دائر کرنے والے شخص کو بھی سزا دینے کا قانون بنا دیا جائے۔ ہمارے معاشرے میں اس وقت یک بارگی تین طلاقوں کا رواج عام ہے اگرچہ بعد میں بہت سے حیلے بہانے تراشنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن اگر ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دینے والے شخص کی طلاق بھی قانونی سطح پر موثر

قرار دے دی جائے اور ساتھ ہی اسے دو سال قید بامشقت کی سزا سنا دی جائے تو کسی شخص کو اتنا غصہ آئے گا ہی نہیں کہ وہ اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالے۔ اس لئے کہ غصہ بھی سوچ سمجھ کر آتا ہے' اپنے سے طاقتور پر غصہ نہیں آتا بلکہ غصہ اپنے سے کمزور شخص پر ہی آتا ہے۔

گیارہویں بات اگرچہ ایک ہی نکتہ ہے مگر اس ایک بات میں سو باتیں جمع ہیں۔ یہ کہ اسلام کے سماجی نظام میں عورتوں اور مردوں کا دائرہ کار علیحدہ اور جدا ہے۔ عورتوں کا جسمانی نظام بھی مردوں سے مختلف ہے اور نفسیاتی ساخت بھی جدا ہے' دونوں اصناف کی ذمہ داریاں جدا ہیں' حال کا معاملہ مردوں کے حوالے اور قوم کا مستقبل عورتوں کے حوالے ہے کیونکہ نئی نسل کی پرورش اور تربیت ہی تو مستقبل ہے۔ عورت کے لئے حمل کا زمانہ' بچے کو دودھ پلانے کا عرصہ اور پھر اس کی نگہداشت کیا یہ سب کچھ غیر اہم اور غیر پیداواری کام ہیں کہ اسے شمع محفل بنائے بغیر چارہ نہیں۔

بتول باش پنہاں شواز ایں
کہ در آغوش شبیرے بگیری

اے مسلمان خاتون! حضرت فاطمہؓ جیسا کردار اختیار کر لے تو تیری گود میں حسن و حسین جیسے پھول کھلیں گے۔ ہمیں تو ایسی خواتین درکار ہیں' ایسی ماؤں کی ضرورت ہے' ایسی بہنوں کی ضرورت ہے' ایسی ہی بیویوں کی ضرورت ہے۔ ہمیں ہرجائی خواتین کی کوئی ضرورت نہیں نظام خلافت میں خواتین اور مردوں کے دائرہ ہائے کار علیحدہ علیحدہ ہوں گے اس لئے کہ یہ آگ اور پانی کا میل ہے۔ ہمیں مخلوط معاشرت کا مکمل خاتمہ کرنا ہو گا۔ سکولوں سے لے کر یونیورسٹی تک ہر جگہ خواتین ہی پڑھنے والی ہوں اور پڑھانے والی بھی خواتین اور دوسرا تمام عملہ بھی خواتین ہی پر مشتمل ہو۔ اسی طرح کا معاملہ ہسپتالوں کا بھی ہے۔ عورتوں کے ہسپتال میں خواتین ہی نرسیں ہوں' خواتین ہی ڈاکٹر ہوں اور خواتین ہی ملازم ہوں۔ اسی طرح کا معاملہ صنعتی اداروں میں بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ اگر ارادہ ہو' ایمان ہو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی دی ہوئی تعلیم پر یقین کامل ہو تو ہر شئے ممکن ہے' ہر مسئلہ حل کیا جا سکتا ہے۔

آخری بات اگرچہ نظام خلافت سے متعلق نہیں ہے لیکن یہ چیز روح عصر کا تقاضا ہے۔ ہم یہ بات کہتے ہیں کہ خلیفہ ایک ہی ہو اور خلیفہ مجلس شوریٰ کی اکثریت کا محتاج نہ ہو۔ یہ نہیں ہو گا کہ وہ ہر وقت ادھر سے ادھر پھدکنے والے مینڈکوں کو ہی سنبھالتا رہے۔ آج کی دنیا میں رائج الوقت صدارتی نظام میں منتخب ہونے والے سربراہ مملکت کو مقررہ مدت تک کام کرنے کا پورا موقع دیا جاتا ہے۔ وہ کسی کانگریس یا پارلیمنٹ کا محتاج محض نہیں ہوتا۔ یہ باتیں مغرب نے اسلام ہی سے سیکھیں ہیں اگرچہ ہم خود ان اوصاف سے محروم ہیں چنانچہ علامہ اقبال نے فرمایا تھا۔

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یاز نور مصطفیؐ اورا بہاست
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیؐ است

خواتین اور مردوں کے دائرہ ہائے کار علیحدہ علیحدہ ہوں گے اور مخلوط معاشرت کا مکمل سدباب ہو گا۔

اس دنیا میں جہاں کہیں کوئی خیر اور بھلائی کی نظر آتی ہے وہ یا تو براہ راست حضورؐ ہی کا عطیہ ہے یا ابھی انسانیت اس نور کی تلاش ہی میں سفر کر رہی ہے' قافلہ انسانی کا رخ اسی طرف ہے اور وہ جلد یا بدیر ادھر ہی پہنچے گا۔ اس اعتبار سے ضروری ہے کہ موجودہ صوبوں کے معاملے کا بھی از سر نو جائزہ لیا جائے۔ پہلے ہی تین صوبے پنجاب کے بڑا ہونے پر شور مچاتے رہتے ہیں حالانکہ بڑا بھائی ہونے کے ناطے پنجاب کو نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ سینٹ میں پنجاب کے بھی اتنے ہی نمائندے ہیں جتنے بلوچستان کے حالانکہ بلوچستان کی کل آبادی لاہور شہر سے بھی آدھی ہے۔ اسی طرح پانی کی تقسیم کے معاہدے میں بھی پنجاب کو نقصان پہنچا ہے۔ ہر جگہ ہر بڑا بھائی ہی مار کھا رہا ہے لیکن واویلہ پھر بھی یہی ہے کہ پنجابی' ہمیں لوٹ کر کھا گئے وغیرہ وغیرہ۔ صدارتی نظام میں یہ احساس محرومی اور بڑھ جانے کا خطرہ موجود ہے لیکن اس کا حل بھی موجود ہے وہ یہ کہ چھوٹے چھوٹے صوبے تشکیل دیئے جائیں۔ یہ بات ضیاء الحق نے بھی کہی تھی اور اچھی بات کہی تھی' ملک کے خیرخواہ عناصر بھی یہی کہتے آ رہے ہیں کہ صوبے چھوٹے کر دیئے جائیں۔ ضیاء الحق مرحوم نے تو یہاں تک فرمایا تھا کہ پڑوسی ملک افغانستان کو دیکھو کہ وہ آبادی میں ہمارا پانچواں حصہ ہے لیکن صوبوں کے اعتبار سے وہ ہم سے بارہ گناہ بڑا ہے۔ افغانستان کے پچاس صوبے ہیں جبکہ اس کی آبادی صرف دو کروڑ ہے۔ یہاں پر بھی چھوٹے صوبے بنائے جائیں' لسانی حوالے کو بھی مد نظر رکھا جائے اور ایک کروڑ کی آبادی سے زیادہ کوئی صوبہ نہ ہو۔ مولانا عبدالستار نیازی نے بھی نئی صوبائی تشکیل کی بات ارشاد فرمائی اور صحیح فرمائی ہے۔ صوبے چھوٹے ہوں اور انہیں زیادہ سے زیادہ اختیارات دیئے جائیں۔

خلافت کا نظام کیا تھا اور اب کیسا ہو گا؟ میں نے واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس کے بغیر بات آگے نہیں بڑھ سکتی۔ ایک قول مولانا ابوالکلام آزاد نے ہمیں یاد دلایا تھا جسے عموماً امام مالک کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے لیکن بعض محققین کے مطابق یہ قول حضرت ابو بکرؓ کا ہے۔ **"لا یصلح اٰخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولہ"** یہ اول و آخر کا لفظ بڑا عجیب ہے اول دور خود حضورؐ کا دور ہے جسے خلافت علی منہاج النبوۃ کہا جاتا ہے اور قیامت سے پہلے آخری دور میں پھر خلافت علی منہاج النبوۃ کا نظام قائم ہو گا۔ اس قول سے یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ جیسے حضورؐ نے نظام قائم فرمایا تھا صرف اسی طریقے ہی سے اب یہ نظام قائم ہو سکتا ہے!۔ پہلے ہر شخص اپنی ذات میں اللہ کا خلیفہ بنے' پھر اپنے گھر اور دائرہ اختیار میں خلافت کا حق ادا کرے' اس کا تقاضا پورا کرے اور جو لوگ یہ دو مرحلے طے کر لیں انہیں بنیان مرصوص بنا کر ایک نظم میں پرو دیا جائے اور پھر یہی لوگ باطل کے ساتھ ٹکرا جائیں' میدان میں آ کر منکرات کو چیلنج کیا جائے اور اپنے سینوں پر گولیاں کھائی جائیں کہ۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشورکشائی

ہم نہ تو توڑ پھوڑ کے قائل ہیں اور نہ ہی دنگا فساد کو صحیح سمجھتے ہیں' کسی کی املاک کو نقصان

پہنچانا بھی ہمارا کام نہ ہو گا' ہم کسی پر گولی نہیں چلائیں گے بلکہ اپنے سینوں کو گولیوں سے چھلنی کروانے کے لئے کھول دیں گے کہ یا ہم نہیں یا کفر کا یہ نظام نہیں۔ لیکن یہ مرحلہ اس وقت آئے گا جب طاقت ہو گی جیسے حضورؐ نے بارہ برس تک بتوں کے بارے میں کہا کہ ان میں کوئی حقیقت نہیں ہے لیکن بتوں کو توڑا نہیں بلکہ آپؐ جماعت صحابہؓ کی تربیت فرماتے رہے اور اپنی جمعیت کو بڑھاتے رہے' ان کا تزکیہ کرتے رہے تب کہیں جا کر جہاد و قتال اور فتح و نصرت کے مراحل آئے۔ حضورؐ نے فتح مکہ کے دن پہلا کام ہی بتوں کو توڑنے کا کیا کہ **"جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا"** شریعت میں نہی عن المنکر کا اصول موجود ہے جب تک طاقت حاصل نہیں ہے' زبان سے منکرات اور حرام باتوں پر نکیر ہو گی جیسے اب ہو رہا ہے۔ سود حرام ہے' جوا حرام ہے' بے پردگی اور فحاشی حرام ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ان سب باتوں کو ڈنکے کی چوٹ کہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اگر ہم حق بات نہیں کہیں گے تو حدیث کے مطابق ہماری حیثیت "گونگے شیطان" جیسی ہو گی حق بات کو بیان کرتے رہیں گے اور جب طاقت حاصل ہو جائے گی تو باطل نظام کا چیلنج کیا جائے گا کہ اب یہ سب کچھ ہم نہیں ہونے دیں گے۔ ایرانی انقلاب میں یہ طریقہ آزمایا جا چکا ہے۔ لیکن الیکشن میں ووٹوں کی بھیک مانگ کر آیت اللہ خمینی قیامت تک برسر اقتدار نہیں آسکتے تھے' وہاں انقلاب نہیں آ سکتا تھا۔ یہی طریقہ کار پاکستان میں بھی اہل تشیع نے ضیاء الحق کے زکوٰۃ آرڈیننس کو منسوخ کرانے کے لئے استعمال کیا اور کامیابی حاصل کی۔ چنانچہ اہل تشیع کو زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستثناء کر دیا گیا اور یوں اہل سنت کو شیعہ بنانے کا راستہ کھول دیا گیا۔

نظام خلافت کیسے قائم ہو گا؟ کس تدریج سے قائم ہو گا؟ حضورؐ نے بھی پہلے اسے سر زمین عرب میں قائم کیا پھر وہ تدریج کے ساتھ آگے پھیلتا چلا گیا۔ اب بھی کسی ایک ملک سے ہی آغاز ہو گا۔ یہ ملک کونسا ہو گا ہم حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن ہر مسلمان کی یہ آرزو اور خواہش ہونی چاہئے کہ "یہ رتبہ بلند" ہمیں ملے' یہ سعادت ہمارے حصے میں آئے۔ کیوں نہ ہم ہی اس کے لئے کوشش کریں' اس کے لئے جدوجہد کریں۔ اگر آپ لوگ اپنا تن' من اور دھن لگانے کے لئے تیار ہوں تو تنظیم اسلامی میں شامل ہوں لیکن اگر ابھی ارادہ اتنا قوی نہیں ہے تو تحریک خلافت کے منشور کو لوگوں تک آگے پہنچانے کے لئے ہمارا ساتھ دیجئے اور تحریک خلافت کی معاونت اختیار فرمائیے کہ **"تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"** ○○

"کیا آپ کی ہائی کمانڈ غیر مسلم ہے؟"

آپ کے موقر جریدے کے توسط سے جناب غلام اسحاق خان صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان کی توجہ پاک فضائیہ میں پائی جانے والی غیر اسلامی سرگرمیوں کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں۔ پاک فضائیہ کے تمام بڑے بڑے Bases پر آئے دن Musical Evenings کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ مزید برآں یہ محافل زر کثیر صرف کر کے منعقد کی جاتی ہیں۔ باوثوق ذرائع کے مطابق صرف گلوکاروں (فنکاروں) کو ایک پروگرام پر ساٹھ ساٹھ ہزار روپے ادا کئے جاتے ہیں۔ یہ رقم ظاہر ہے کہ دفاع کے کھاتے سے ادا کی جاتی ہے۔ دفاع کی یہ رقم جو قوم کی امانت ہے اور وطن کے دفاع کے لئے استعمال کی جانی چاہئے' یوں عیاشیوں کی نذر ہو جاتی ہے۔ میں صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان سے جو عساکر پاکستان کے سربراہ بھی ہیں' ان بے قاعدگیوں اور بے شرمی و بے حیائی پر مبنی سرگرمیوں کو ختم کرنے کی درخواست کرتا ہوں مرحوم صدر ضیاء الحق نے ان آلودگیوں سے افواج پاکستان کو کافی حد تک پاک کرنے کی کوشش کی تھی اور اس کا بہت اچھا اثر بھی پڑنا شروع ہو گیا تھا لیکن ان کی شہادت کے بعد فوج کو دوبارہ پرانی ڈگر پر لانے کی بڑی چالاکی و مکاری کے ساتھ کوشش ہو رہی ہے۔ اگر اس سیلاب کے آگے بند نہ باندھا گیا تو ہماری فوج کا پھر اللہ ہی حافظ ہے۔

علاوہ ازیں پاک فضائیہ اکیڈمی رسالپور میں ہر سال کل پاکستان تقریری مقابلہ ہوتا ہے جس میں ملک کے طول و عرض سے طلباء و طالبات کو مدعو کر کے بذریعہ C-130 لایا جاتا ہے۔ جہاں تک طلباء کو لانے کا تعلق ہے وہ قابل فہم بات ہے کہ اس طرح کیڈٹس اور طلباء کو آپس میں ملنے کا موقع ملتا ہے اور تبادلہ خیالات سے ان کی معلومات میں اضافہ ہو سکتا ہے لیکن متذکرہ بالا تقریری مقابلے میں طالبات کی شرکت نہ سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ اس پر مزید ستم یہ ہے کہ طلباء و طالبات اور فضائیہ کیڈٹس کا جس آزادی کے ساتھ اختلاط ہوتا ہے وہ تمام اخلاقی حدود و قیود سے بالا ہوتا ہے اور انتہا درجے کی بے شرمی و بے حیائی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اس کے گھناؤنے پن کا اندازہ فضائیہ کے سابق سربراہ جناب حکیم اللہ صاحب کی اہلیہ محترمہ کے ان ریمارکس (Remarks) سے لگایا جا سکتا ہے۔ ان کے بقول "اکیڈمی کا ماحول (مراد تقریری مقابلے کی تقریب) انتہائی آلودہ لگتا ہے"

یہ تقریری مقابلہ حسب سابق اس دفعہ ۱۵ تا ۱۸ اکتوبر ۱۹۹۱ء منعقد ہوا اس میں تقریروں کے دوران غلیظ اور شرم و حیاء سے عاری زبان استعمال کی گئی۔ لڑکوں کا لڑکیوں کے بارے میں ریمارکس دینا اور لڑکیوں کا جوابی طور پر فقرے چست کرنا ایسا منظر پیش کر رہا تھا کہ جس کو قلم کی نوک پر لاتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی ہے۔ گویا یہ محفل (تقریری مقابلہ بالعموم اور آخری دن Stage Show بالخصوص) ایک حدیث پاک جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ "جب تم سے حیاء ختم ہو جائے تو جو چاہو کرو" کا مصداق کامل تھی۔ چنانچہ اس حیاء سوز محفل کو دیکھتے ہوئے سول سے آئے ہوئے ایک پروفیسر صاحب نے فضائیہ کے ایک افسر سے سوال کیا "کیا آپ کی ہائی کمانڈ غیر مسلم ہے؟" کیا صدر پاکستان اس سوال کا جواب مہیا کریں گے؟ اگر نہیں تو اللہ کے ہاں کیا جواب دیں گے؟؟

عبداللہ
۱۴/ گلستان کالونی نوشہرہ

قرآن آڈیٹوریم میں نئے سال کی پہلی شام کی رونق قابل دید تھی

جان بیٹا خلافت پہ دے دو

یہ چنگاری امت مرحومہ کی خاکستر میں دبی ہوئی تھی

رپورٹ: نعیم اختر عدنان

آج سے ستر پچھتر سال پہلے برصغیر پاک و ہند کے در و دیوار خلافت کے نعرے سے گونج اٹھے تھے لیکن مغربی استعمار کی سازشوں اور منصوبوں کو ایک غلام قوم کی آہ و فغاں سے کیونکر ناکام بنایا جاسکتا تھا۔ پھر اس غیر نے خلافت کی قبا چاک کرنے کے لئے استعمال بھی تو اپنوں کو ہی کیا تھا۔ عربوں کی بغاوت و سفاکی اور ترک ناداں مصطفیٰ کمال پاشا کی نادانی سے آخر کار جب خلافت کی بساط لپیٹ دی گئی تو یہ نام رفتہ رفتہ طاق نسیاں کی زینت بن گیا۔ لیکن کہتے ہیں اور سچ ہی کہتے ہیں کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے' اب پھر شرق و غرب سے احیائے خلافت کا آوازہ بلند ہورہا ہے۔ امت مرحومہ کی خاکستر میں دبی چنگاری ایک بار پھر بھڑکی تو محسوس ہوا کہ "خلافت" کا نام اس گئے گزرے زمانے میں بھی مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکنوں میں سمایا ہوا ہے۔

زباں پہ بارِ الٰہی یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

تنظیم اسلامی پاکستان کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد اسلامی انقلاب کے داعی ہیں۔ انہوں نے اپنے مجوزہ انقلابی عمل کے نتیجے میں قائم ہونے والے اسلامی نظام کے لئے ابھی کوئی عنوان تجویز نہ کیا تھا۔ اس نظام حکومت میں جس کی ایک جھلک اللہ تعالیٰ کی حکمت تامہ نے خلافت راشدہ کی شکل میں دکھا کر مسلمانوں کی اجتماعیت کا مکمل نمونہ قرار دیا' روح عصر کے تقاضوں کو سموتے ہوئے ڈاکٹر صاحب اسلام کے سیاسی نظام کو اسلامی جمہوریت سے تشبیہ دیتے رہے ہیں کہ اس سے ابلاغ کا حق کچھ بہتر طور پر ادا ہوتا تھا جس کے لئے رائج الوقت اصطلاحات کا استعمال ضروری ہوجاتا ہے۔ لیکن جب ہمارے دانشوروں نے اسلامی جمہوریت کے نسخے میں حاکمیت عوام اور پارلیمان کی حاکمیت کے اجزاء شامل کرنے شروع کئے اور اس پر علامہ اقبال جیسے شارح اسلام و ترجمان القرآن کے صاحبزادے ڈاکٹر جاوید اقبال بھی خم ٹھونک کر سامنے آگئے تو انہیں سوچنا پڑا کہ کیوں نہ خود جمہوریت پر تین حرف بھیجے جائیں جس پر "اسلامی" کا سابقہ بھی ہمارے کسی کام نہیں آرہا۔ چنانچہ انہوں نے خلافت کا علم بلند کیا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اسے اتنی پذیرائی ملی ہے جو کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھی۔ اب حال یہ ہے کہ وہ نظام خلافت کے خدوخال بیان کرتے ہیں تو عوام میں ابلاغ کی کیفیت کچھ یوں دیکھنے میں آتی ہے کہ ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ تو میرے دل میں تھا

ڈاکٹر اسرار احمد کو تو خلافت کے نقارے پر چوٹ لگائے چند ماہ ہی ہوئے ہیں لیکن عالم عرب کے وہ نوجوان جن میں اسلام کے لئے تڑپ زندہ ہوئی' احیائے خلافت کی بات کئی برسوں سے کرتے چلے آرہے ہیں۔ اپنے اپنے وطن میں تو وہ یہ لفظ زبان پر لابھی نہیں سکتے کہ وہاں بدترین آمریت یا شہنشائیت کا راج ہے تاہم مغربی ممالک میں جہاں وہ جدید تعلیم کے لئے آتے اور پھر وہیں کے ہورہتے ہیں' انہیں لب کھولنے کی اجازت ہے۔ چنانچہ وہ "حزب التحریر" کے نام سے منظم ہورہے ہیں اور اپنی منزل نظام خلافت کے قیام کو قرار دیتے ہیں۔ ان کے جوش و خروش اور مقصد سے لگن کا عالم یہ ہے کہ ان کی طرف سے خلافت کے آئین کا ایک مسودہ بھی شائع کردیا گیا ہے جس میں کئی خامیاں ہیں جو دراصل رد عمل کی شدت کے باعث ان کے خیالات میں در آئی ہیں۔ مادر پدر آزاد مغربی جمہوریت نے جس کے مظاہر ان کے سامنے ہیں' ان میں جدید عمرانیات و سیاسیات کے ارتقاء سے اتنی بیزاری پیدا کردی ہے کہ اب وہ روح عصر کے تقاضوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ دوسری طرف صورت حال یہ ہے کہ ایک ہدف تو انہوں نے متعین کرلیا لیکن اس تک پہنچنے یعنی اپنے اپنے ملکوں میں اس انقلاب کو برپا کرنے کی عملی تدابیر کے باب میں وہ یا تو خالی الذہن ہیں یا پھر مغالطوں کا شکار ہیں۔ بہرحال امید کی جاسکتی ہے کہ جذبہ سلامت رہے بلکہ پرورش پائے تو راستے بھی ان شاء اللہ کھل کر رہیں گے۔

خود اپنے وطن' ملک خداداد پاکستان میں بھی دھیمے سروں میں خلافت کی بات کچھ دنوں سے چل رہی تھی۔ یہ مرحوم صدر ضیاء الحق کے دور کے بھی آخری حصے میں شروع ہوئی جب وہ بوجوہ بری بھلی جمہوریت کی طرف مراجعت پر مجبور کردئے گئے لیکن اس طرز حکومت کے لئے ان میں آمادگی کسی طور پیدا نہیں ہوتی تھی انہوں نے علمائے کرام کے اس طبقے کو جو ان کے نزدیک پسندیدہ تھا' اشارہ دیا اور جمہوریت کے ان خصائص کی طرف انہیں متوجہ کیا جو اسلام کے مزاج سے موافقت نہیں رکھتے تو حاکمیت کی جگہ

سٹیج کا ایک منظر: صدر مجلس گوش بر آواز ہیں

خلافت کا تصور ابھرا لیکن خلافت کا نام لینے والوں نے بھی اسے کسی تحریک کی شکل دینے کا سوچا تک نہیں۔ اس کی وجوہات متعدد ہوسکتی ہیں لیکن سامنے کی یہ دو باتیں اظہر من الشمس ہیں کہ اولا وہ اپنے اس تصور کی تشریح نہ کرسکے یا اس کی انہوں نے ضرورت نہ سمجھی اور ثانیا خلافت کے اکثر علمبردار موقع ملتے ہی خود بھی لنگر لنگوٹے کس کر انتخابی سیاست کے میدان میں کود پڑے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان کے اپنے حلقے میں تو خلافت کا کسی نہ کسی انداز میں تذکرہ رہا تاہم نہ اسے مسلمان عوام کے سامنے پیش کیا جاسکا اور نہ کسی تحریک کا ڈول ڈالا جاسکا اور یہ سعادت بالاخر تنظیم اسلامی کے امیر کے حصے میں آئی کہ وہ تحریک خلافت پاکستان کے نام سے ایک باقاعدہ عوامی مہم کا آغاز کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

تنظیم اسلامی نے تحریک خلافت پاکستان کے پیغام کو ملک کے بڑے شہروں کے علاوہ قصبات میں بھی پھیلا دیا ہے اور چونکہ اس کی شکل محض ایک نعرے کی نہیں بلکہ ایک مرتب و مربوط پروگرام کی ہے جس کی عام فہم وضاحت بھرپور انداز میں کی جارہی ہے' ایسی وضاحت جو اسلام کے سیاسی نظام کے اصولوں سے بھی مطابقت رکھتی ہے' اجتماعیت کے ارتقاء کی بھی آئینہ دار ہے اور پاکستان کے مخصوص حالات کے لئے سازگار بھی۔ ڈاکٹر اسرار احمد اپنی چھوٹی سے لیکن منظم جماعت اور بڑے ہی محدود وسائل کے ساتھ اللہ کی تائید و توفیق کے طفیل تصور خلافت میں اس حد تک جان ڈالنے میں کامیاب ہوچکے ہیں کہ ایک طرف اگر مخالفین و معاندین کو ضرورت محسوس ہونے لگی کہ اخبارات کے ذریعے اس "فتنہ" کی بروقت سرکوبی کریں تو دوسری طرف تحریک خلافت پاکستان کو ملک کے طول و عرض سے معاونین بھی ملنے لگے اور صورت حال کچھ یوں بننے لگی ہے کہ "راہرو ملتے رہے اور کارواں بنتا گیا"۔ بایں ہمہ داعی تحریک خلافت ' ڈاکٹر اسرار احمد نے خود کو کبھی " عقل کل " نہیں سمجھا اور دل ہمیشہ کشادہ رکھا ہے۔ وہ پورے اعتماد اور انشراح صدر کے ساتھ نظام خلافت کے خدو خال کو محکم و متعین الفاظ میں بیان کرتے ہیں اور اسے برپا کرنے کے طریق کار کی بھی واضح تشریح کررہے ہیں تاہم ہمہ وقت آمادہ و تیار ہیں کہ کسی موافق یا مخالف کی طرف سے ان کے موقف میں کسی ترمیم یا تنسیخ کی بات دلیل و برہان کے ساتھ آئے تو اسے قبول کرلیں اور یہی تقریب بنی اس مذاکرے کی جو نظام خلافت کے عنوان سے نئے شمسی سال کے پہلے دن قرآن کالج کے شاندار قرآن آڈیٹوریم میں منعقد ہوا۔

چند سال قبل بھی اس وقائع نگار کو ایسی ہی ایک محفل میں شریک ہونے کا موقع ملا تھا۔ تنظیم اسلامی کی اساس اس فکر پر ہے جو فرائض دینی کے ایک جامع تصور سے ماخوذ ہے۔ فرائض دینی کا یہ تصور بھی تنظیم کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد نے اسی اعتماد سے پیش کیا تھا جس اعتماد سے اب وہ نظام خلافت پر بات کرتے ہیں۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ان کا موقف کتاب و سنت کی نصوص پر مبنی ہے لیکن چونکہ ہدایت کے ان سرچشموں پر اجارہ داری کا انہیں زعم نہیں چنانچہ اپنے موقف کی تشریح و توضیح پر مشتمل ایک مفصل تحریر انہوں نے اہل سنت کے جملہ مسالک کے ممتاز علمائے کرام اور اقامت دین کی خواہش دلوں میں پالنے والے دانشوروں کی خدمت میں ارسال کی اور ساتھ ہی یہ دعوت بھی دی کہ اس موقف میں کوئی خطا ہے تو تشریف لا کر اس محفل میں بیان فرمائیں جس میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے ملک بھر سے اپنی تنظیم اسلامی کے وابستگان کو لا کر جمع کردیا تھا۔ یہ بڑے ہی دل گردے کا کام تھا' کون اپنے معتقدین کو خود یوں "مخالفین" کے "سپرد" کرتا ہے' کسے اتنا یارا ہے کہ ان لوگوں کو بٹھا کر اپنے موقف پر بے رحمانہ تنقید سننے پر مجبور کرے جن میں سے ایک ایک کو رام کرنے میں اس کی شب و روز کی محنت صرف ہوئی ہو!۔ پھر اس پر مستزاد اپنے آپ پر اور تنظیم کے رفقاء پر یہ حتمی پابندی کہ محض سنیں گے' نہ اعتراض کریں گے نہ احتجاج اور نہ کوئی وضاحت ہی طلب کریں گے۔ یہ نقشہ جوں کا توں جما دیکھا گیا۔ چند حضرات کی طرف سے اگرچہ تائید اور حوصلہ افزائی بھی میسر آئی' اکثر نے مخالفت کی' کیڑے ڈالے بلکہ استہزا تک کیا لیکن مجال ہے جو سامعین نے کسی رد عمل کا اظہار کیا ہو۔ ہاں' حاصل اس کا البتہ یہ تھا کہ خود ڈاکٹر صاحب کو اپنے موقف کے صواب پر مزید اطمینان ہوا اور رفقائے تنظیم کے انشراح صدر میں بھی دو چند اضافہ ہوگیا کہ محکم استدلال کے مقابلے میں جو منطق بگھاری گئی اور جو دلیلیں لائی گئیں وہ اپنی کمزوری کا گویا خود ہی اشتہار تھیں۔

نظام خلافت پر مذاکرہ بھی اسی نوع کی ایک محفل تھی جس میں داعی تحریک خلافت پاکستان نے محض موضوع کے تعارف میں ابتدائی کلمات کہے اور پھر سامعین سے کھچا کھچ بھرے ہوئے وسیع آڈیٹوریم کا روسٹرم مدعوئین کے حوالے کردیا۔ مدعوئین میں سے اکثر مقررین کا تعلق کسی نہ کسی طور احیائے خلافت کے لئے اپنے اپنے انداز میں کام کرنے والوں میں سے تھا۔ ان میں سے ہر ایک کو ایک مخصوص موضوع دیا گیا تھا اور مراد اس سے یہ تھی کہ مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے گی تو تحریک خلافت پاکستان کے معاونین یہ فیصلہ کرنے میں آسانی محسوس کریں گے کہ داعی تحریک نے نظام خلافت کا جو منشور پیش کیا اور قیام

خلافت کے لئے انقلابی جدوجہد کے جس طریق کار کی نشاندہی کی ہے اس میں کمی بیشی کی ضرورت تو نہیں ! ۔ مدعوئین میں ایک مقرر ڈاکٹر محمد امین بھی شامل تھے جن کے اختلاف کی اطلاع اگرچہ ایک مقامی روزنامے میں شائع ہونے والی ان کی تحریر سے ہوچکی تھی تاہم دین سے ان کے اخلاص کے پیش نظر سمجھا گیا کہ اختلافی موقف بھی ضرور سامنے آنا چاہیے۔

مذاکرے میں ہر مقرر کو پوری توجہ اور صبر و سکون کے ساتھ سنا گیا جس کے بعد الحمدللہ کہ معاونین تحریک خلافت پاکستان کو اس پکار کے خلوص و اخلاص اور صحت و صواب پر پہلے سے کہیں زیادہ اطمینان حاصل ہوا ہے جس کے جواب میں وہ اس قافلے کے ساتھ شریک سفر ہوئے ہیں۔ مذاکرے کا آغاز تلاوت قرآن حکیم سے ہوا جس کے بعد اس تقریب کی غرض و غائت پر مختصر گفتگو کے بعد صدر مجلس، ڈاکٹر اسرار احمد نے مفتی غلام سرور قادری کو خطاب کی دعوت دی جو "مجلس خلافت" کے جنرل سیکرٹری ہیں۔

مفتی غلام سرور قادری صاحب نے فرمایا کہ نظام خلافت کے موضوع پر یہ اجتماع منعقد کرنے پر میں ڈاکٹر اسرار احمد کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کام میں برکت عطا فرمائے اور ایسے ہی اہم مسائل پر اہل علم حضرات کو مل کر غور و فکر کرنے اور انہیں عملی جامہ پہنانے کی سعادت اور توفیق عطا فرمائے۔ مفتی صاحب نے فرمایا" نظام خلافت کا عنوان درحقیقت اسلام کے نظام سیاست ہی کا دوسرا نام ہے اسے ہم نظام حکومت بھی کہہ سکتے ہیں اور نظام سیاست کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ خلافت کا دوسرا نام امامت بھی ہے اور جس شخص کے ہاتھ میں عنان خلافت ہوتی ہے اسے خلیفہ اور امام بھی کہتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اسلام کے اندر خلافت نام کی کوئی اصطلاح نہیں ہے، مجھے اس طرح کی باتیں سن کر بہت تعجب ہوا کہ ایسی بے سروپا باتیں کرنے والے لوگ بھی اہل علم کہلاتے ہیں۔" مفتی صاحب نے کہا کہ پہلے پاکستان کی سطح پر علماء حضرات اکٹھے ہوجائیں اور پھر باہر کی دنیا کے علماء کو بھی دعوت دی جائے تو میرے خیال میں ہم خلافت کے تعطل کو دور کرنے میں بہت جلد کامیاب ہوجائیں گے لیکن اگر علماء جمع نہ ہوں، اہل فکر اکٹھے نہ ہوں تو پھر یہ بڑا

قرآن آڈیٹوریم کا جزوی منظر

مشکل مسئلہ ہے اور آخر میں فرمایا کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان میں نظام خلافت کے احیاء کے لئے چلائی جانے والی تحریک خلافت کو فروغ دیا جائے اور عوام کو قائل کیا جائے کہ وہ اس کے لئے اپنی توانائیاں لگائیں دوسری طرف علماء کو چاہیے کہ وہ عوام کے سامنے نظام خلافت کی افادیت اور غرض و غایت واضح کرکے انہیں بتائیں کہ ہماری نجات کا واحد ذریعہ نظام خلافت کے احیاء و قیام ہی میں مضمر ہے۔

سیمینار کے دوسرے مقرر مولانا خورشید احمد گنگوہی تھے جنہیں تحریک خلافت اور شیخ الہندؒ کے عنوان پر خطاب کی دعوت دی گئی تھی گنگوہی صاحب نے فرمایا" حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس وہ ذات گرامی ہے کہ جن پر ایک دروازہ بند ہوتا ہے، جو نبوت کا دروازہ ہے تو ایک اور دروازہ کھلتا ہے اور یہ دروازہ خلافت کا دروازہ ہے۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے لے کر ترکان عثمانی کی خلافت تک یہ نظام تسلسل کے ساتھ قائم رہا اورچودہ صدیوں تک امت بحیثیت مجموعی خلافت کی نعمت سے کبھی بھی محروم نہ رہی۔ خلیفہ معتصم باللہ کی شہادت کے بعد منصب خلافت تقریباً ساڑھے تین سال تک خالی رہا لیکن امت میں موجود علماء اور دوسرے حضرات نے مسلمانوں کے خلیفہ کے منصب کو خالی دیکھ کر جن احساسات کا اظہار کیا ان میں سے ایک واقعہ علامہ ابن کثیرؒ کا ہے۔ علامہ صاحب ان دنوں ایک تاریخی کتاب مرتب فرمارہے تھے۔ جب بھی قمری کیلنڈر کا نیا سال آتا تو علامہ ابن کثیرؒ اپنی صبح کا آغاز یہ عبارت رقم کرکے فرماتے کہ ایک سال مزید بیت گیا مگر ابھی تک مسلمانوں کا کوئی خلیفہ موجود نہیں ہے "۔ انہوں نے کہا کہ برصغیر کے مسلمانوں کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جب انگریزوں اور یہودیوں کی ملی بھگت سے خلافت عثمانیہ کا خاتمہ کردیا گیا، جب شریف مکہ نے عثمانی خلیفہ کے خلاف بغاوت کا اعلان کردیا اور شریف مکہ نے شیخ الاسلام کو محمود حسن دیو بندیؒ کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ شیخ الہند اس دستاویز پر دستخط فرمادیں جس میں عثمانی خلیفہ کو غاصب اور خائن قرار دیا گیا تھا تو شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ میں پھانسی کے پھندے پر تو جھول سکتا ہوں لیکن خلافت عثمانیہ کے خاتمے کی دستاویز پر دستخط ثبت نہیں کرسکتا۔ اس بنا پر آپ کو گرفتار کرکے مالٹا میں اسیر کردیا گیا۔ اپنے خطاب کے آخر میں مولانا نے فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ تحریک خلافت کے عظیم قائد تھے۔ وہ ڈاکٹر اسرار احمد جو شیخ الہندؒ کے حوالے سے تحریک خلافت کی بات کرتے ہوں، ان کے حوالے سے دین کا کام کرتے ہوں، میں "مجلس خلافت" میں شامل تمام جماعتوں اور افراد کی طرف سے انہیں یقین دلاتا ہوں کہ آپ اس تحریک خلافت کو لے کر چلئے جہاں جہاں ڈاکٹر صاحب کا پسینہ گرے گا وہاں ہم اپنا خون بہائیں گے اور خلافت کی بحالی کے لئے اپنی زندگی کی قربانی دینا سب سے بڑی سعادت سمجھیں گے۔

اس سیمینار کے تیسرے مقرر ڈاکٹر جہانگیر شجاع تھے جن کا تعلق "مجلس خلافت" سے ہے انہوں نے اپنے خطاب میں فرمایا "حضرات! آج ہمیں نظام خلافت کو پھر سے دنیا میں قائم کرنے کے

مذاکرے کے مقررین : دائیں سے بائیں حافظ عبدالرحمن مدنی ' مولانا خورشید احمد گنگوہی ' چودھری رحمت علی ' ڈاکٹر محمد امین ' شاہد علی بابر '

لئے ایک ایسا لائحہ عمل تیار کرنا ہے' ایک ایسا منشور بنانا ہے جس پر عصر حاضر کے دانشور بھی انگلی نہ اٹھاسکیں۔ اسی طرح نظام خلافت قائم ہوسکتا ہے اور پھر وہی صورت سامنے آسکتی ہے کہ ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے نیل کے ساحل سے لیکر تابخاک کاشغر"

"بولیں اماں محمد علی کی۔ جان بیٹا خلافت پہ دے دو" یہی "بی اماں" شاہد علی بابر صاحب کی پڑنانی بھی تھیں اور پڑدادی بھی۔ داعی تحریک خلافت پاکستان جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے شاہد علی بابر صاحب کو خطاب کرنے کے لئے کہا۔ بابر صاحب نے اپنے خطاب میں کہا "نظام خلافت کے بغیر ہمارا وجود' ہمارا مذہب' ہماری ہستی ہر چیز نامکمل ہے۔ نصرانیوں اور یہودیوں دونوں کے سامنے یہ مقصد کارفرما ہے کہ مسلمان کبھی متحد نہ ہوں۔ انہیں معلوم ہے کہ نظام خلافت کے قیام ہی سے مسلمان متحد ہوسکتے ہیں۔ پچھلے دنوں احمد دیدات صاحب جنگ فورم میں تشریف لائے ہوئے تھے جہاں میں نے ان کا لیکچر سنا۔ پھر ان سے سوال و جواب ہوئے۔ احمد دیدات صاحب سے میں نے پوچھا کہ وہ اسلام جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے ذریعے ہم تک پہنچا' وہ دنیا کے کسی خطے میں عملاً قائم بھی ہے ؟ جواب میں انہوں نے کہا کہ وہ نظام کہیں بھی قائم نہیں ہے جس کے بغیر نہ ہماری کوئی حیثیت ہے' نہ کوئی مقام ہے۔ حضرات! افسوس کی بات تو یہ کہ ہمارا اصل نظام دنیا میں کسی جگہ بھی قائم نہی ہے۔ میں تو یہی کہوں گا کہ جتنی جلد ممکن ہوسکے ہم پھر سے نظام خلافت کو بحال کریں' قائم کریں کہ یہی ہمارا سب کچھ ہے' یہی ہماری پہچان ہے۔ صلیبی جنگیں آج بھی جاری ہیں' اسلام اور کفر کا معرکہ آج بھی برپاہے۔ تحریک خلافت پاکستان کا ہمیں بھرپور ساتھ دینا چاہیے اور انتخابی سیاست سے ہمیں حتی الوسع پرہیز کرنا چاہیے۔"

ڈاکٹر محمد امین صاحب کو "نظام خلافت" کے موضوع پر اظہار خیال کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے کہا "حضرات! میں شاید نظام خلافت کے حق میں تقریر نہیں کرسکوں گا اس لئے اگر میری گفتگو عام ڈگر سے ہٹی ہوئی ہو اور نظام خلافت کے حامیوں کی توقعات پر پوری نہ اترتی ہو تو بھی ایک مختلف نکتہ نظر پر غور کرنا چاہیے۔ تعلیم و تحقیق کا طالب علم ہونے کے ناطے میرے سامنے ہمیشہ یہ بات رہتی ہے کہ ہم کیا کرنا چاہتے ہیں؟ کیوں کرنا چاہتے ہیں؟ اور کیسے کرنا چاہتے ہیں۔ دوستوں اور بزرگوں سے ہم سن رہے ہیں کہ وہ نظام خلافت قائم کرنا چاہتے ہیں میرا سوال ہے کہ وہ ایسا کیوں چاہتے ہیں ؟۔ ایک سوال یہ بھی کہ وہ یہ نظام کیسے قائم کرنا چاہتے ہیں ؟ " انہوں نے کہا کہ میرے نزدیک نظام خلافت کی دعوت دینا اور اس کے لئے کوشش کرنا ایک غیر منطقی بات ہے۔ ہم خلافت کا نعرہ کیوں لگاتے ہیں ؟ آپ کو خلافت کا نظام کیوں چاہیے؟ میرے نزدیک آپ لوگ اسلام کا سیاسی نظام چاہتے ہیں اور نظام خلافت صرف اس کا ایک نشان ہے۔ خلافت اس نظام حکومت کا نام ہے جو غلط یا صحیح طور سے مسلمانوں کے ہاں رائج رہا ہے۔ اسلام کا سیاسی نظام کیسے لایا

باقی صفحہ ۲۴ پر

مذاکرے کے مقررین : دائیں سے بائیں معین الدین شاہ ' ڈاکٹر جہانگیر شجاع' صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی' مفتی غلام سرور قادری ' پروفیسر مستیر احمد علوی

وہ اپنی ذات میں اک انجمن تھے

قاضی عبدالقادر

یہ ۱۹۷۷ء کی بات ہے۔ بڑا پر آشوب زمانہ تھا۔ عام انتخابات میں دھاندلیوں کے خلاف سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے خلاف پی این اے کی تحریک زوروں پر چل رہی تھی۔ لاہور میں خصوصاً اس کا بڑا زور تھا۔ روز جلوس نکلتے' فائرنگ ہوتی' جنازے اٹھتے' مسجدیں تک لہو لہان ہوگئیں۔ میں سالانہ رخصت گزارنے ان دنوں لاہور گیا ہوا تھا اور انجمن و تنظیم کے امور کے سلسلہ میں قرآن اکیڈمی میں قیام پذیر تھا۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کئی سالوں سے پابندی کے ساتھ مسجد خضرا سمن آباد میں درس قرآن حکیم دیتے اور جمعہ کی خطابت کرتے چلے آرہے تھے لیکن محض اس وجہ سے مسجد کی انتظامیہ کی جانب سے ان کا درس اور خطاب بند کر دیا گیا کہ موصوف پاکستان قومی اتحاد (پی این اے) کے ساتھ نہیں تھے کیونکہ جذبات اتنے برانگیختہ کر دیئے گئے تھے کہ یہ سمجھا جانے لگا کہ جو ہمارے ساتھ نہیں' وہ دوسرے کے ساتھ ہے۔ حالانکہ اس وقت بھی ڈاکٹر صاحب بھٹو صاحب کو EVIL GENIUS قرار دیتے تھے۔

ان حالات میں ایک روز پتہ چلا کہ مولانا ظفر احمد انصاری مرحوم (آہ۔ ان کو مرحوم لکھتے ہوئے قلم کانپتا ہے) لاہور آئے ہوئے ہیں۔ ویسے تو مولانا کا لاہور آنا جانا رہتا تھا لیکن ان حالات میں لاہور تشریف لانا ضرور کچھ خاص معنی رکھتا تھا۔ موصوف "بابائے مذاکرات" کے نام سے مشہور تھے اور واضح رہے کہ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد لاہور میں جناب ذوالفقار علی بھٹو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے ملاقات اور مشورے کی خاطر ان کی قیام گاہ پر گئے تھے۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے مجھ سے کہا کہ چلا جائے' انصاری صاحب سے جا کر ملتے ہیں۔ پتہ چلا کہ موصوف ملتان روڈ کے قریب مفتی محمد شفیع ؒ کے بڑے صاحبزادے جناب ذکی کیفی مرحوم کے گھر پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ انصاری صاحب کے ساتھ جناب ماہرالقادری مرحوم بھی وہیں پر ہیں۔ تعجب تو ہوا کہ اس غیر مشاعراتی موسم میں ماہر صاحب یہاں کہاں' لیکن ساتھ ہی خوشی بھی ہوئی کہ ملاقات کے لئے یک نہ شد دوشد۔ میرا یہ احساس تھا' اور یہ احساس بے بنیاد نہ تھا کہ اجتماع ماچھی گوٹھ میں مولانا ظفر احمد انصاری صاحب کا جو رول رہا تھا' ڈاکٹر صاحب اس کی بناء پر مولانا کے بارے میں اپنے ذہن میں کچھ تحفظات رکھتے ہیں لیکن وہاں پر ملاقات میں کوئی تکلف نہیں دیکھا۔ انصاری صاحب کا وہی نہایت دھیمے لہجے میں نپی تلی باتوں کا انداز' نہایت ژرف نگاہی سے حالات کا تجزیہ اور مسائل کے حل کی تدابیر۔ واضح رہے کہ مولانا انصاری صاحب ایجی ٹیشن والی سیاست کے مخالف تھے اور مذاکرات کے بادشاہ۔ بڑے بڑے لاینحل مسائل اور ایسے معاملات جو POINT OF ON RETURN تک پہنچ گئے ہوں' ان کی عقدہ کشائی کر دینا موصوف کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

۱۹۵۰ء میں میٹرک کرنے کے بعد جب میں

> مولانا انصاری اپنے بچوں کے ہی نہیں ہم سب کے "چچا" تھے۔

اسلامی جمعیت طلبہ سے متعارف ہوا اور اس کا رکن بنا تب ہی سے میرا ان کے ہاں آنا جانا تھا۔ میرے ان کے تعلقات اکتالیس سال پر محیط ہیں۔ جمعیت طلبہ کا اس وقت اپنا کوئی دفتر نہ تھا۔ مولانا انصاری صاحب کے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری (جنہیں گھر میں "راجہ" کہا جاتا تھا اور ہم لوگ بھی انہیں راجہ ہی کہتے ہیں) جمعیت کراچی کے یکے از اکابرین تھے۔ ان کا گھر ۱۸؍۱۲ بندر روڈ کو جمعیت میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ یہی سب کی ملاقات اور اجتماع کی جگہ تھی' یہی دفتر تھا' یہی ہمارے جریدے STUDENTS VOICE کا بھی دفتر تھا۔ تقریباً روز وہاں جانا ہوتا اور انصاری صاحب جنہیں ہم بھی ان کے بیٹوں کی طرح چچا کہہ کر پکارتے' ہم سے نہایت ہی شفقت سے پیش آتے۔ "چچا" کہنے کی شان نزول یہ ہے کہ انصاری صاحب کا گاؤں الہ آباد (انڈیا) کے قریب واقع تھا۔ ان کی زیادہ زندگی شہر میں گزری۔ بچے گاؤں میں رہتے تھے تایا کے پاس۔ چنانچہ وہ تایا کو ابا اور ابا کو چچا کہنے لگے۔ یوں یہ چچائیت کراچی تک بھی پہنچی اور وہ جمعیت میں بھی تقریباً سب ہی کے چچا تھے۔

جمعیت کے کاموں کے سلسلہ میں ایسا بھی ہوتا کہ میرا دن دن بھر اور رات رات بھر ۱۸؍۱۲ بندر روڈ میں قیام رہتا۔ میرا بہت خیال رکھتے۔ اپنے بچوں کی طرح سمجھتے۔ ۱۹۸۵ء میں میرے بیٹے اسامہ کی شادی ہوئی۔ ولیمہ کا کارڈ لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ علیل تھے' انصاری کمیشن رپورٹ نے مزید تھکا دیا تھا۔ لیکن علالت کے باوجود ولیمہ میں تشریف لائے۔ محبت اور شفقت

کرنا کوئی ان سے سیکھتا۔

محبت کرنے والے کم نہ ہوں گے
تری محفل میں لیکن ہم نہ ہوں گے

میں نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے کہا کہ کیوں نہ انصاری صاحب اور ماہر صاحب کو قرآن اکیڈمی تشریف لانے کی دعوت دے دی جائے۔ کچھ توقف کے بعد بولے کہ "لیکن آئیں گے نہیں"۔ عرض کیا کہہ لینے میں کیا حرج ہے۔ اب میں اصل بات بتاؤں' بات دراصل یہ تھی کہ ماہر القادری صاحب مرحوم' محترم ڈاکٹر صاحب سے بہت آزردہ تھے۔ ماہر صاحب مولانا مودودی کے اس قدر مداح تھے کہ ان پر ذرا سی بھی تنقید انہیں گوارا نہیں تھی۔ اپنے ماہنامہ "فاران" میں بھی وہ ڈاکٹر صاحب کے خلاف لکھتے رہے۔ میرے ہم وطن تھے۔ میرا تعلق ضلع بلند شہر (انڈیا) کے قصبہ ڈبائی سے تھا اور موصوف کا وطن مالوف ڈبائی سے تین میل دور گاؤں کسیرکلاں سے۔ ہم میں رشتہ داری تو نہ تھی لیکن تعلقات رشتہ داروں جیسے تھے۔ میں ان کے برخورداروں میں ہوتا تھا اس لئے شفقت و محبت بھی اسی طرح اور کھنچائی بھی اسی طرح کرتے تھے۔ انہیں معلوم ہوگیا تھا کہ میرا تعلق جماعت اسلامی سے ختم ہو کر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی سے ہوگیا ہے۔ جب بھی ملتے' خیریت وغیرہ پوچھنے کے بعد ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے حوالہ سے میری "گوشمالی" شروع ہو جاتی۔ "فاران" میں لکھنے سے جو رہ جاتا یا جو نہ لکھ پاتے اس کی بھڑاس خاکسار پر نکالتے۔ غصہ کا رخ ڈاکٹر صاحب کی طرف ہوتا اور ہدف یہ "برخوردار"۔

ایک آدھ بار اپنی اور ڈاکٹر صاحب کی صفائی میں بولنے کی کوشش کی تو غصہ اور بڑھ جاتا' لیکن اس غصہ میں بھی محبت کی چاشنی ہوتی۔ پھر میں نے یہ طے کر لیا کہ خاموشی سے سنتا رہوں گا اور یوں بھیگی بلی بنا رہتا۔ ایک روز تو حد ہو گئی' مولانا انصاری صاحب کے ہاں گیا' دیکھا کہ ماہر صاحب اور مولانا وصی مظہرندوی صاحب تشریف فرما ہیں۔ انصاری صاحب اندر گئے ہوئے تھے۔ اب جو ماہر صاحب "چالو" ہوئے اور مجھے جھاڑ پلانی شروع کی تو بس اللہ دے اور بندہ لے' ڈاکٹر اسرار صاحب کے بارے میں تو جو کہا سو کہا' مجھے کہنے لگے کہ داڑھی سفید ہونے لگی اور ابھی تک عقل نہیں آئی۔ اس طرح نہ جانے کیا کیا کہتے کہ مولانا وصی

مولانا انصاری اور ماہر القادری دونوں ہی قرآن اکیڈمی آکر بہت خوش ہوئے۔ اکیڈمی کی ایک ایک چیز دیکھی اور پسند فرمائی' دیر تک نشست رہی۔

مظہرندوی صاحب کو میری حالت زار پر رحم آگیا اور انہوں نے ماہر صاحب سے کوئی اور ذکر چھیڑ دیا' گفتگو کا رخ بدل گیا اور یوں میں نے جان کی امان پائی۔

ماہر صاحب جہاں مجھ پر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی وجہ سے ناراض رہتے تھے وہیں مجھ پر شفقت و محبت بھی بہت کرتے تھے۔ ماہر صاحب کو اس روز اپنے زیادہ غیض و غضب میں ہونے کا احساس ہو گیا تھا چنانچہ اس واقعہ کے بعد جب میں ایک روز ان کے گھر گیا تو بڑی ہی محبت سے پیش آئے۔ تھوڑی دیر میں ان کے چھوٹے بھائی مسرور صاحب دوکان سے واپس گھر میں داخل ہوئے تو چھوٹتے ہی کہا "مسرور! گجک لائے ہو"۔ انہوں نے کہا کہ ہاں لایا ہوں' تھیلے میں ہے۔ کہنے لگے ابھی ادھر لاؤ اور میرے آگے رکھ کر کہنے لگے کہ لو کھاؤ۔ شاید وہ اس روز کے غصہ کا بدلہ چکانا چاہتے تھے۔ ایسا غصہ' ایسی محبت ----- ! میری آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے اور ماہر صاحب مسکرا رہے تھے۔

اے نام محمد صلی علیٰ ماہر کے لئے تو سب کچھ ہے
ہونٹوں پہ تبسم بھی آیا' آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے

مولانا انصاری صاحب ہوں یا ماہر القادری صاحب' دونوں اپنی ذات میں اک انجمن تھے۔

بہت لگتا ہے جی صحبت میں ان کی
وہ اپنی ذات میں اک انجمن ہیں

ماہر صاحب اچھے کھانوں کے بہت شوقین تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ شہر میں ریوڑی گجک کہاں اچھی ملتی ہیں' دہی بڑے کہاں کے اچھے ہوتے ہیں' کباب کون اچھا بناتا ہے' نہاری کس ہوٹل کی عمدہ ہوتی ہے۔ حالت یہ تھی کہ راہ چلتے ہوئے کوئی اس قسم کی دوکان پڑ جائے تو بس وہیں بیٹھ کر ورنہ کھڑے کھڑے کھانا شروع کر دیتے۔ جگر مراد آبادی کراچی آتے تو اپنے ہاں بلاتے اور "دیوانی ہانڈی" کھلاتے۔ مجھے اپنا ہاں اپنا ولیمہ یاد آگیا۔

دسمبر ۱۹۵۷ء میں ولیمہ کا کارڈ لے کر ماہر صاحب کے گھر گیا۔ بہت خوش ہوئے۔ کہنے لگے بابو (میرا گھر کا نام بابو ہے) کھانے میں کیا کیا ہو گا۔ میں نے کھانوں کا بتایا۔ کہنے لگے دیکھنا اس باورچی سے پکوانا جس نے خرم (مراد ہیں خرم جاہ مراد' سابق ناظم اعلیٰ اسلامی جمعیت طلباء اور حال نائب امیر جماعت اسلامی پاکستان) کے ولیمہ کا کھانا پکایا تھا۔ واضح رہے کہ کچھ ہی عرصہ قبل خرم بھائی کا ولیمہ ہو چکا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ ماہر صاحب' میں نے اسی باورچی کا انتخاب کیا ہوا ہے۔ واقعی کھانا بہت اچھا پکا تھا۔ ولیمہ کے دن کھانے کے بعد دیر تک کھانے کی تعریف کرتے رہے اور باورچی کے انتخاب کی داد دی۔

ہاں تو بات ہو رہی تھی مولانا انصاری صاحب اور ماہر القادری صاحب کو قرآن اکیڈمی میں مدعو کرنے کی لیکن بات کہاں سے کہاں نکل گئی۔ ٹھیک ہے۔ ذکر جب چھڑ گیا ضیافت کا' بات پہنچی پلاؤ زردے تک ----- تو اے معزز قارئین' ڈاکٹر صاحب نے انصاری صاحب اور ماہر صاحب کو اکیڈمی تشریف لانے کی دعوت دے ہی ڈالی۔ کمال یہ ہوا کہ انصاری صاحب سے پہلے ماہر صاحب نے اسے قبول فرما لیا۔ انصاری صاحب نے اپنی شدید مصروفیات کے باوجود اگلے دن شام کو آنا منظور فرما لیا۔ دوسرے روز میں گاڑی لے کر ان کی قیام گاہ پر گیا اور دونوں کو قرآن اکیڈمی لے آیا۔ وہاں آکر دونوں بہت خوش ہوئے۔ اکیڈمی کی ایک ایک چیز دیکھی اور پسند فرمائی۔ دیر تک نشست رہی' ان کے ساتھ ڈاکٹر صاحب' یہ خاکسار اور چند قریبی احباب تھے۔ اکیڈمی کے بارے میں معلومات حاصل کیں' کچھ ملکی سیاست پر بات چیت ہوئی۔ نماز عشاء اکیڈمی کی مسجد جامع القرآن میں ادا کی۔ اس کے بعد کھانے کا دور شروع ہوا۔ مجھے معلوم تھا کہ انصاری صاحب پرہیزی کھانا کھاتے ہیں جب کہ ماہر صاحب چٹخارے دار۔ چنانچہ اسی مناسبت سے کھانے تیار کرائے گئے تھے۔

ماہر صاحب نے مزے لے لے کر کھایا اور کھانے کی تعریف کی۔ ڈاکٹر صاحب سے تو ایسے گھل مل کر باتیں کر رہے تھے جیسے کبھی کوئی گلہ نہ رہا ہو۔ میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ کھانے کے بعد قہوہ کا دور چلا ---- اور پھر ساتھ ہی ماہر

صاحب سے نظموں اور غزلوں کی فرمائش شروع ہوئی۔ سلام' قرآن کی فریاد اور بہت سی نظمیں اور غزلیں۔ ہر ایک کی فرمائش پوری کی۔اب حالت یہ تھی کہ انصاری صاحب اشاروں اشاروں میں ماہر صاحب سے چلنے کو کہہ رہے ہیں لیکن ماہر صاحب ہیں کہ ۔

غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا

انصاری صاحب پہلو پہ پہلو بدل رہے ہیں اور ماہر صاحب نہ صرف ہماری فرمائشیں پوری کررہے ہیں بلکہ کچھ اپنی طرف سے بھی سنا رہے ہیں --- محفل گرم تھی کہ میں نے کہیں کہہ دیا ماہر صاحب ! "صبح بنارس"۔ انہوں نے مجھے گھور کر دیکھا اور کہنے لگے نہیں' یہاں نہیں --- انہیں قرآن اکیڈمی کے تقدس کا کتنا خیال تھا۔

قہوہ کے کئی دور چل چکے تھے' رات بھیگ چلی تھی' انصاری صاحب کئی بار ماہر صاحب کو چلنے کے لئے کہہ چکے تھے' لیکن ماہر صاحب کا دل واپس جانے کو نہ جانے کیوں نہ چاہتا تھا' قرآن اکیڈمی میں محبت کے زمزمے بہہ رہے تھے۔ انصاری صاحب خاصی تھکن محسوس کررہے تھے لیکن ماہر صاحب کے ہاتھوں مجبور تھے۔ آخر کب تک' بالآخر ماہر صاحب اٹھے مگر جیسے بادل نخواستہ --- اور یوں یہ یادگار محفل اختتام پذیر ہوئی یہ شعر یاد آتا رہا۔

مشرف گرچہ شد جامی ز لطفش
خدایا آں کرم بارے دگر کن

کراچی میں قرآن کانفرنس میں شرکت کے لئے مولانا ظفر احمد انصاری صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میری درخواست قبول فرمائی اور کانفرنس کے ایک سیشن کی صدارت کر کے ہم سب کو ممنون کیا--- لیکن قرآن اکیڈمی والی محفل میری چند یادگار محفلوں میں سے ایک ہے --- اس جیسی محفل دوبارہ ہونے کی نوبت ہی نہیں آئی۔

آہ۔ کیسے کیسے لوگ تھے' کتنے شریف النفس اور وضعدار۔ ہائے۔

تاباں تھیں جن سے غمکدہ جاں کی وسعتیں
پلکوں پہ وہ چراغ سر شام بجھ گئے

ماہر صاحب تو کب کے اللہ کو پیارے ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں جنت المعلی میں محو استراحت ہیں جیسے کہہ رہے ہوں ۔

میں بعد مرگ بھی بزم وفا میں زندہ ہوں
تلاش کر مری محفل مرا مزار نہ پوچھ

جدہ میں ایک مشاعرہ میں گئے تھے۔ احسان دانش نے جب یہ شعر پڑھا۔

چوکھٹے قبر کے خالی ہیں انہیں مت بھولو
جانے کب کون سی تصویر سجادی جائے

تو بہت داد دی۔ کیا پتہ تھا کہ ان کی قبر کا چوکھٹا بھی تیار ہوچکا ہے۔ حفیظ جالندھری مائیک پر آئے اور اپنا کلام پڑھنا شروع کیا۔ جب اس شعر پر پہنچے۔

بہشت میں بھی ملا ہے مجھے عذاب الیم
وہاں بھی مولوی صاحب تھے میرے ہمسائے

اور اشارہ ماہر صاحب کی طرف کیا' تو ماہر صاحب اسٹیج پر بیٹھے بیٹھے زور سے بولے حفیظ صاحب' آپ غلط جگہ پہنچ گئے ہیں۔ حفیظ نے ترنگ میں آکر اور کچھ ماہر صاحب کو چھیڑنے کی خاطر اس شعر کو دوبارہ پڑھا اور "مولوی صاحب" پر زیادہ ہی زور دیا۔ ماہر صاحب کی حمیت مسلمانی نے جوش مارا۔ یہ کہتے ہوئے یکدم مائک کی طرف بڑھے' نہیں' نہیں-- کہ دل کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا' شدید ہارٹ اٹیک ہوا اور کچھ ہی دیر بعد روح قفس عنصری سے پرواز کر کے وہاں پہنچ گئی جہاں سے کوئی واپس نہیں آیا اور جس خاک سے ان کو عشق کی حد تک پیار تھا' وہیں مدفون ہوئے۔

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے
شعلہ عشق سیاہ پوش ہوا تیرے بعد

اور اب مولانا ظفر احمد انصاری بھی وہاں چلے گئے جہاں ہم سب کو جانا ہے۔

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

الہ آباد سے اٹھے' کراچی میں رہے اور اسلام آباد میں مدفون ہوئے۔ اسلام اور پاکستان سے انہیں عشق تھا۔ ضعیفی ' شدید علالت اور کمزوری کے باوجود آخر وقت تک اسلام اور پاکستان کے کاز کے لئے کام کرتے رہے۔ ان کی زندگی کے ۸۶ سال ایک محب وطن مسلمان کی زندگی کی درخشاں مثال ہیں۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔ ہم ان کی مغفرت کے ساتھ یہ دعا کرسکتے ہیں کہ ۔

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

اور ۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے۔

تحریک خلافت کی دعوت کو پھیلانے کا ایک موثر ذریعہ

نظام خلافت کے خدوخال اور اس کی برکات

کے موضوع پر محترم **ڈاکٹر اسرار احمد صاحب**' داعی تحریک خلافت پاکستان

کے پر اثر خطاب پر مشتمل آڈیو / ویڈیو کیسٹ دستیاب ہیں۔

○ آڈیو (سی۔۶۰) دو عدد' ہدیہ -/۴۰ روپے

○ ویڈیو (سی۔۱۸۰) ایک عدد' ہدیہ -/۱۵۰ روپے

معاونین تحریک خلافت زیادہ سے زیادہ تعداد میں یہ کیسٹ حاصل کر کے تحریک کی دعوت کو اپنے احباب تک پہنچائیں بلکہ اجتماعی طور پر انہیں سنانے کا اہتمام کریں۔

برائے رابطہ : مرکزی دفتر تحریک خلافت پاکستان' خلافت بلڈنگ' ۴۔اے' مزنگ روڈ لاہور

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36 -K,Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 918

بقیہ مذاکرہ

جاسکتا ہے؟ میرے نزدیک جو اسلامی قوتیں اور دینی عناصر گذشتہ ۴۵ برس سے پاکستان میں دین کے غلبے کے لئے کوشاں ہیں کیوں ناکام ہوئے؟ یہ ایک بنیادی سوال ہے جس پر ہمیں غور کرنا چاہیے اور اس کا جواب تلاش کرنا چاہیے۔

انہوں نے کہا کہ ۴۵ سال کے تجربے کے بعد جو چیز ہوتی نظر نہیں آتی وہ نظام کی تبدیلی کا معاملہ ہے اور یہی شے مطلوب و مقصود ہے نہ کہ حکومت کی تبدیلی! اس امر کا کوئی امکان نہیں ہے کہ پاکستان میں کوئی دینی جماعت برسر اقتدار آجائے گی۔ میرے خیال میں ہمارے ہاں دینی سیاسی عناصر کی ناکامی کا ایک سبب ان کی غلط حکمت عملی ہے۔ ہر دینی جماعت نے اپنی اکثر و بیشتر توانائیاں سیاست کی نذر کر رکھی ہیں۔ سیاست مکمل دین نہیں بلکہ اس کا ایک جز ہے۔ علماء اور دینی جماعتوں کو چاہیے تھا کہ وہ پورے دین کے نفاذ کی کوشش کرتے اور عوام کو دعوت، تنظیم اور تربیت کے ذریعے نظام کی تبدیلی کے لئے تیار کرتے۔ دینی جماعتوں کی دوسری ناکامی ان کا انتشار و اختلاف ہے۔ یہی دو بنیادی وجوہات دینی عناصر کی ناکامی کا باعث ہیں۔ اس پس منظر میں اسلامی جمہوریت یا نظام خلافت کی طرف آتے ہیں۔ جو لوگ اس نکتہ نظر کو لے کر چلیں گے، ایک سیاسی تحریک چلائیں گے، سیاسی چہرے کے ساتھ دینی انداز سے کام کریں گے یہ سوال ان لوگوں کے لئے چھوڑ دینا چاہیے کہ وہ اپنی حکمت عملی کو کیا نام دیتے ہیں۔ میرے خیال میں اسلامی جمہوریت کا تصور اگر غلط ہے تو نظام خلافت کی اصطلاح بھی اتنی ہی غلط ہے۔

ڈاکٹر محمد امین کے بعد حافظ عبدالرحمن مدنی کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ عبدالرحمن مدنی صاحب نے فرمایا" دنیا بھر کے سیاسی نظاموں کی ناکامی کے بعد مسلمان یہ امید لگائے بیٹھے ہیں کہ اب دنیا مجبوراً اسلام ہی کی طرف آئے گی چنانچہ آج اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ دنیا کو اسلام کے سیاسی نظام سے آگاہ کیا جائے۔ علامہ اقبال نے مغرب کے سیاسی نظام کے بارے میں فرمایا۔

اس سراب رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

نظام خلافت کے بارے میں آج تک یہ باتیں کی جاتی ہیں کہ یہ تو محض ایک ڈھونگ ہے، نام ہی نام ہے۔ نظام خلافت کے حوالے سے مسلمانوں کی جو کوتاہیاں رہی ہیں ان سے یہ نتیجہ اخذ کر لینا کہ خلافت کا نظام ہی غلط ہے بڑی ہی بچگانہ باتیں ہیں۔ صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی کو داعی تحریک خلافت پاکستان نے خطاب کرنے کی دعوت دی تو انہوں نے بڑی ہی خوبصورت تقریر کی۔ فرمایا کہ خلافت اور اس جیسے اہم موضوعات کے بارے میں امام اعظم ابو حنیفہؒ اور شاہ ولی اللہؒ جیسے لوگوں ہی کا یہ منصب ہے کہ کوئی واضح موقف دے سکیں جبکہ ہم تو اسلام کی عمارت کے لئے اینٹ گارا بننے کے لئے تیار ہیں۔ اگر ہر شخص مفکر اور فلاسفر بن جائے تو کام آگے نہیں بڑھتا۔

ایک مسلمان کی جو ذہنی، قلبی، نظریاتی، جذباتی اور روحانی وابستگی لفظ خلافت کے ساتھ وابستہ ہوسکتی ہے وہ کسی دوسرے لفظ کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتی۔ کسی نئی اصطلاح کو خواص و عوام میں متعارف کرانے کے لئے بہت زیادہ وقت صرف کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تب جا کر اس اصطلاح کا مفہوم کسی حد تک لوگوں کے سامنے آنے کا امکان ہوتا ہے لہٰذا کیوں نہ ہم اس اصطلاح کو لوگوں کے سامنے رکھیں جس کے زبان پر آتے ہیں نہ چرچل سامنے آتا ہے، نہ لینن سامنے آتا ہے، نہ ذوالفقار علی بھٹو سامنے آتا ہے اور نہ ضیاء الحق سامنے آتا ہے بلکہ جب یہ اصطلاح زبان پر آتی ہے تو آنکھوں کے سامنے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا چہرہ گھوم جاتا ہے اور یہ تاثر کوئی معمولی چیز نہیں ہوتی کہ اسے نظر انداز کردیا جائے صاحبزادہ صاحب نے ایرانی انقلاب اور اہل تشیع کے تصور امامت اور اہل سنت کے تصور خلافت کے اتصال پر جو تفصیلی گفتگو کی، وہ اس قابل ہے کہ پوری نقل کی جائے۔ آئندہ کسی شمارے میں ان شاء اللہ شامل کیا جائے گا۔

پروفیسر مستنیر احمد علوی اگلے مقرر تھے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت ہماری زبانوں پر خلافت کے احیاء اور اس کی بحالی کا نعرہ ہے اور یہ جان جوکھوں کا کام ہے۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

یہ جدوجہد تو مسلسل قربانیوں کا سفر ہے، اپنے نفس اور گھر سے شروع ہو کر ایوان اقتدار تک سر کو چھوڑنے کا سفر ہے، اس مشن کی تکمیل میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جاسکتا، اس راستے میں اپنی جان، مال اور اولاد سے پیار نہیں کیا جاسکتا، اس کے لئے مسلسل محنت کرنا ہوگی وگرنہ۔

یہ سواد کوئے جاناں یہ قدم قدم بلائیں
جنہیں زندگی ہو پیاری وہ یہیں سے لوٹ جائیں

چودھری رحمت علی نے فرمایا کہ حضورؐ نے تمام خود ساختہ قوانین کو ختم کر کے انسانیت کو ایک ضابطہ حیات عطا فرمادیا اور تمام سرداروں سے اقتدار چھین کر ایک حاکم پر مرتکز کردیا جسے آپ کی رحلت کے بعد خلیفہ کہا جانے لگا لیکن یہ تبدیلیاں آسانی سے روبہ عمل نہیں آئی تھیں۔ بہت سے خداؤں کو چھوڑنا بھی اگرچہ ان کے لئے مشکل تھا مگر اقتدار سے محرومی تو نقد نقصان تھا۔ وہ اسے ٹھنڈے پیٹوں کیسے برداشت کر لیتے لہٰذا مزاحمت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ نتیجۃً اللہ کے رسولؐ کو بھی جو رحمت العالمین ہیں، بھی تلوار ہاتھ میں لینا پڑی۔ اگر تلوار ہاتھ میں نہ لی جاتی تو دین اسلام مکہ کی گلیوں سے بھی باہر نہ نکل سکتا۔

تقریب کے آخر مقرر جناب معین الدین شاہ صاحب تھے انہوں نے فرمایا" دور جدید میں حکومت کا جو تصور کار فرما ہے خلافت اس کا نعم البدل ہے پارلیمانی نظام حکومت ہو یا صدارتی طرز حکومت یا کوئی اور تصور ہو سب سے بڑھ کر اسلام کا نظام حکومت ہے۔ اسلام ہی وہ نظام حیات ہے جس نے تمام نظاموں سے زیادہ عرصہ دنیا پر حکمرانی کی ہے اس لئے کہ یورپ ایک صدی کے عرصے میں بام عروج تک پہنچا مگر آج اس کا نظام زوال پذیر ہے اس لئے کہ ان کا سماجی نظام بھی غلط ہے۔ اسی نظام کی وجہ سے پوری دنیا میں فساد پھیل چکا ہے اور اس تہذیب کا سب سے بڑا فساد "انسانی حاکمیت" کا نظریہ ہے۔